دس فطری خصلتیں

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَۃِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْیَۃِ وَالسِّوَاکُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَۃِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ یَعْنِی الْاِسْتِنْجَاءِ قَالَ الرَّاوِیُ وَنَسِیْتُ الْعَاشِرَۃَ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ الْمَضْمَضَۃَ.

[رواہ مسلم]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فطرت کی دس باتیں ہیں:

(۱) لبیں کترانا، (۲) ڈاڑھی بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) ناک میں پانی ڈالنا، (۵) ناخن کترانا، (۶) انگلیوں کے جوڑ دھونا، (۷) بغلوں کے بال اکھاڑنا، (۸) زیرناف بال مونڈنا، (۹) استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے مجھے دسویں بات بھول گئی ہے غالباً وہ کلی کرنا ہے۔ ایک روایت میں ڈاڑھی کی جگہ ختنہ کا ذکر فرمایا ہے۔“

آدابِ رسالت

قاضی ابوبکر رحمہ اللہ بن عزلی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا حیات میں تھا اس لیے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی یا بیان کی جارہی ہوں اس میں بھی شور وشغب کرنا بے ادبی ہے۔ کیوں کہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہورہا ہو اس وقت سب کے لیے خاموش ہوکر اس کا سننا واجب وضروری تھا۔ اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور وشغب کرنا بے ادبی ہے۔

جس طرح تقدم علی النبی کی ممانعت میں علمائے دین بحیثیت وارث انبیاء علیہم السلام ہونے کے داخل ہیں اسی طرح رفع صوت کا بھی یہی حکم ہے کہ علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے ان کی آواز دب جائے۔

[تفسیر قرطبی، ج:١٦،ص:٣٠٧]

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جب ایسی تکلیف واستخفاف جو بلا قصد ہونے کے باوجود سوئے ادب اور کفر میں داخل ہے تو پھر جو استخفاف اور تکلیف عمداً اور بالقصد کی جائے تو اس کے صریح کفر ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے، تو یہ تو بطریق اولی کفر شمار ہوگا۔ [الصارم المسلول،ص:٥٥]

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی بلند آواز نہیں جس کا مقصد رسول اللہ ﷺ کا استخفاف واہانت ہو کیوں کہ ایسی بلند آواز تو کفر ہے اور یہ خطاب بھی اہل ایمان سے ہے جن کے لیے آپ کی ذاتِ گرامی اصل ایمان بلکہ عین ایمان ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ ہی سراپا دین ہیں۔

[الجامع لاحکام القرآن، ج:١٦،ص:٣٧٠]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ بغدادی لکھتے ہیں: یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی قول یا فعل کے ذریعہ تکلیف پہنچانا کفر ہے جس سے انسان کے تمام اعمال ضائع ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اعمال سے بھی منع فرمایا گیا ہے جس سے آپ کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔ [روح المعانی، ج:٢٦،ص:١٣٦]

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ [النساء: ٤] اس آیت میں نبی ﷺ کا ایک تیسرا ادب سکھایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہوکر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوار پن کے ساتھ کہ نام لے کر پکارا جائے یہ بے ادبی ہے، عقل والوں کے یہ کام نہیں۔

فہرست

اداریہ

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

حافظ احمد شاکر

ہفتہ رفتہ میں گورنر پنجاب کا ایک گستاخ رسول سے ہم دردی کرنے پر قتل وطن عزیز کا سیاسی طور پر بھی اور مذہبی طور پر بھی ایک اہم واقعہ ہے۔

قرآنِ مجید اور تعلیماتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آپ کی شان اور آپ کے مقام کی وضاحت کر دی گئی ہے اور وہ مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور نبی ﷺ مخلوق ہیں۔لیکن ہیں افضل البشر اور بشر بھی ایسے کہ جن کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی پیغام بری ...... رسالت ...... کے لیے پسند فرما لیا پھر آپ کو شب معراج مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت سے بھی نوازا۔اس سے بڑی آپ کی مدح وثنا کیا ہوسکتی ہے؟ اور حقیقت یہ ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدائے بزرگ توئی قصہ مختصر

نیز قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اللہ کے بندو! اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو پھر میں تم کو محبوب بنا لوں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم مجھے چاہتے ہو تو تم جب میرے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو میں تم کو چاہنے لگ جاؤں گا، سبحان اللہ۔مخلوقِ انسانی میں یہ شرف صرف محمد بن عبداللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ ان کی اطاعت کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔

سیاسی طور پر اس لیے کہ گورنر صوبے میں مرکز کا نمائندہ ہوتا ہے جس کو مرکز حکومت ہی مقرر کرتی ہے جس کی ذمہ داری ...... غالباً...... صوبائی حکومت کی نگرانی اور صوبائی حکام کو حسب ضرورت مشورے دینا ہوتا ہے۔اس قدر اہم منصب دار کا سر عام گولیوں کا نشانہ بن جانا بہت اہم بات ہے۔اب یہ بحث تو جاری ہے اور جاری رہے گی کہ گورنر کی حفاظت کی ذمہ داری صوبائی حکومت کی تھی یا مرکزی حکومت کی۔لا مذہب، مذہب گریز یا عمل چور گروہ اس کو سیاسی قتل قرار دینے کے لیے میڈیا میں کود چکا ہے۔

مذہبی طور پر اس لیے کہ گورنر کے قتل کی جو وجہ قاتل نے بیان کی ہے وہ صرف گستاخی رسول ﷺ کی آسیہ نامی ملزمہ جس کو عدالت سزائے موت سنا چکی ہے اس کی غیر ضروری حمایت تھی۔چوں کہ انسانی نفسیات کا مسلمہ اصول ہے کہ دوست کا دوست، دوست اور دوست کا دشمن، دشمن ہوتا اور جانا جاتا ہے۔مقتول نے چوں کہ دوست، دوست نہیں محبوب، محبوب نہیں محبوبِ جہاں بلکہ محبوبِ الٰہی ﷺ کی شان میں گستاخی کی مرتکب خاتون سے اظہار ہم دردی اس حد تک کی جس سے جاں نثارانِ محمد ﷺ تڑپ تڑپ گئے اور لرز لرز اٹھے کہ ایک مسلمان غیر مسلم کی ہمدردی میں اس حد تک چلا جائے جہاں کسی مسلمان کے ایمان کی سرحد ختم ہونے سے جا ملے! اعاذنا اللہ منہ

اس واقعہ کا صرف ایک یہ پہلو قابل تشویش ہے کہ کسی شہری کے قانون ہاتھ میں لینے کی تائید نہیں کی جاسکتی کہ اس سے انارکی پھیلنے کے امکانات غیر معمولی ہو جاتے ہیں۔تاہم ہر کلمہ گو کے دل میں حبّ محمد ﷺ کی جو چنگاری دبی ہوئی ہے مسلمانوں کی بے عملی کے باوجود تاریخ میں اس چنگاری کو جب بھی کسی نے چھیڑا تو اس کے شعلہ بلکہ شعلہ جوالا بننے میں کبھی دیر نہیں لگی۔

قرآن وحدیث میں کسی بھی جگہ لفظ عشق کا کسی بھی عنوان پر ذکر نہیں آیا کہ اہل لغت کے نزدیک محبت میں حواس قائم رہتے ہیں اور عشق میں جذبہ عقل سے آگے نکل جاتا ہے۔علامہ اقبال نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کی آگ میں کود جانے کو، جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مشیت واطاعت کا مظہر تھا، لفظ عشق سے تعبیر کرتے ہوئے کہا۔

بے خطر کود پڑا، آتش نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

اس واقعے میں بھی قلب ممتاز میں دبی چنگاری نے جب حرکت کی تو اس کا عشق بھی عقل کو لب بام چھوڑ کر آتش لبرل ازم میں کود گیا۔

اس واقعے کے بعد دانشوروں کی رنگ برنگی تحریریں دیکھنے میں آئیں، جن میں ہر دانشور برداشت اور ضبط نبوی ﷺ کی مثال دیتے ہیں اور دور حاضر میں

برداشت ناپید ہونے کا شکوہ بھی کرتے ہیں اور اس حبّ نبوی ﷺ کے جذبہ بے پایاں کو عدم برداشت سے تعبیر کرتے ہوئے مکی زندگی کی اس طرح کی مثالیں دیتے رہے جیسے طائف میں زخمی ہونے پر نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اہل طائف کو نابود کرنے کی پیش کش مسترد کردی تھی یا پھر آپ پر روزانہ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی عورت نے جب ایک دن یہ حرکت نہ کی تو آپ کا اس کی بیمار پرسی کے لیے جانا۔ پھر کفار مکہ کا سجدہ کی حالت میں آپ پر اوجھڑی پھینکنا۔ ان دانشوروں کو چاہیے تھا بلکہ اب بھی چاہیے کہ وہ قرآنِ کریم کا مطالعہ بھی ضرور فرمائیں خصوصاً سورہ حجرات (پ ۲۶) کا جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بارگاہِ نبوی کے آداب یہاں تک فرما دیئے کہ ''اے ایمان والو! بارگاہ نبوی میں اپنی آواز بھی نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ تم ان کی بارگاہ میں اتنی اونچی آواز میں بولو جس طرح تم آپس میں باتیں کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے تمہارے اعمال ہی ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور ہی نہ ہو۔''

دوسری گزارش ہے کہ مکی حیات مبارکہ کے مذکورہ واقعات تو برداشت کے ضمن میں بیان کیے جارہے ہیں لیکن مدنی زندگی میں آپ ﷺ کی کعب بن اشرف یہودی کی ایذا رسانیوں پر اس سے نجات پانے کی خواہش! جس پر کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی نے آپ سے اجازت لے کر کعب بن اشرف کو جہنم رسید کردیا تھا یہ دانشور ان واقعات کو بھی تو ملاحظہ کریں کہ ان کا تجزیہ کیا کیا جائے گا؟ یہ دانشور عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ، آپ ﷺ کا اس کو قمیص پہنانا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرنے کو بھی برداشت کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔ لیکن مفادات کی مصلحتوں کے ان بندوں کو مدنی زندگی کی یہ مصلحت کیوں نظر نہیں آئی کہ ابن ابی کے ساتھ اگر آپ یہ سلوک نہ فرماتے تو مدینہ کے منافقین اپنی دسیسہ کاریوں سے دعوت اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرتے؟ اس موقعہ پر یہ بزرجمہر اگر یہ کہیں کہ آپ کا ہر عمل وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے تو پھر یہ حضرات سورہ توبہ کی آیت نمبر (۸۰۔۸۴) میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد بھی پڑھ لیں کہ ''اگر ان ......منافقین...... کے لیے آپ مغفرت طلب کریں چاہے ستر بار کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔'' پھر چند آیات کے بعد جا کر فرمایا کہ ''ان منافقین پر نہ آپ نماز ...... جنازہ...... ہی پڑھیں اور نہ ہی ان کی قبروں پر آپ ...... دعا کے لیے...... کھڑے ہوں۔'' ان آیات مبارکہ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ابن ابیّ کے ساتھ یہ جذبات آپ کے رحمۃ اللعالمین ہونے کا مظہر تھے۔ حکم الٰہی نہ تھا بلکہ حکم الٰہی نے آپ کو آئندہ سے ایسے جذبات کے اظہار سے بھی روک دیا۔

زمانہ نبوت سے بُعد بڑھنے کے ساتھ عموماً مسلمانوں میں عمل کی کوتاہی تو بڑھتی رہی لیکن قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ ''ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا'' اس کا یہ مظہر ہے کہ کسی بھی دور میں آپ کی محبت کبھی کسی مسلمان کے دل میں کم تو کیا ہونی ہے گھنائی بھی نہیں کہ ہر مسلمان کا دونوں جہانوں میں اثاثہ اور دولت ہی یہی ہے اس موضوع پر بے شمار واضح قرآنی آیات اور احادیث ہیں پھر یہ دیکھیں کہ اگر کوئی بندہ باری تعالیٰ کی محبت کی سرمستی میں اللہ تعالیٰ کی جوئیں نکالنے یا کنگھی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے، یا وہ خوش ہو کر اور موج میں آ کر یہ کہہ ڈالے کہ اللہ تعالیٰ کو...... میں تیرا ربّ اور تو میرا...... بندہ کہہ دے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندے کی سرمستی کو برداشت فرما کر مسکرا دیتا ہے لیکن بارگاہ نبوی میں نہ آواز بلند کرنے کی اجازت اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے کی طرح آپ کو پکارنے کی اجازت ہے۔ دیکھئے غالب نے کیسی خوب صورت بات کہہ دی:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم   کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اس موقعہ پر ہماری درخواست ہے کہ مثبت فکر کے حامل جملہ مسالک کے اہل علم کو علمائے مقتدین کی آراء کی روشنی میں قرآن وحدیث کے نصوص ودلائل کے ساتھ ایک میثاق یعنی معاہدہ تحریر کرلینا چاہیے کہ اگر کوئی نابکار مسلمان کسی گستاخی کا ارتکاب کرے یا کسی کے مونہہ سے ایسی بات نکل جائے جس سے گستاخی کی بو بھی آتی ہو تو اس کو فوراً گرفتار تو بیشک کرلیا جائے لیکن جب تک تمام مسالک کے علماء ایک مشترکہ بورڈ جس میں دینی علم وشعور کے حامل قانون دان بھی ہوں ملزم سے بالمشافہ سوال جواب کرکے متفقہ فتویٰ نہ دے تب تک اس کے خلاف F.I.R درج نہ کی جائے۔ اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم اس کا ارتکاب کرے تو اس کو بھی پولیس کی بجائے اہل علم کے سامنے پیش کرکے علماء کا یہ متفقہ بورڈ جو فیصلہ صادر کرے اس کو قبول بھی کیا جائے اور اس پر حکومت عمل بھی فوراً کرے گویا کہ جملہ مسالک کے اہل علم جب تک متفقہ طور پر ملزم کو گستاخی کا مرتکب قرار نہ دیں تب تک اس کو گستاخ رسول قرار نہ دیا جائے لیکن اہل علم جس کو گستاخ رسول قرار دے دیں تو پھر اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔ ہمارے ناقص خیال میں اس سے الزام اور عدم انصاف کے کئی رخنے بند ہو جائیں گے۔

درس قرآن

قسط نمبر 24

تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ٥ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ٥ ﴾

''اور ہم کتنی قومیں ان سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں، وہ ان سے بہت زیادہ طاقت ور تھیں تو انہوں نے زمین کا کونا کونا چھان مارا، کیا وہ کوئی جائے پناہ پا سکے؟ اس میں عبرت ہے ہر اس شخص کے لیے جو دل رکھتا ہو یا جو کان لگا کر بات سنے اور وہ حاضر ہو۔'' [ق : ٣٦، ٣٧]

ان آیات میں قریش مکہ کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی قوت اور شان وشوکت کے گھمنڈ میں نہ آئیں، ان سے پہلے کتنی قومیں ہو گزری ہیں جو قوت وشوکت میں ان سے زیادہ تھیں، مگر اللہ تعالیٰ کا ان پر عذاب آیا تو وہ ہلاک ہو گئیں اور ان میں جو بچ گئے وہ اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے۔

﴿ فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ شہروں میں چل نکلے۔ نَقَّبُوْا ''النقب'' سے ہے جس کے اصل معنی ہیں دیوار یا چمڑے میں سوراخ کرنا۔ اسی سے ''نقب القوم'' ہے یعنی قوم کا چلنا پھرنا (یعنی گشت کرنا) جبکہ لکڑی میں سوراخ کرنے کو ''ثقب'' کہتے ہیں۔ [مفردات] اور ''محیص'' کے معنی ہیں پناہ گاہ۔ اسی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے تاج العروس میں علامہ زبیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

خَرَقُوا الْبِلَادَ فَسَارُوْا فِيْهَا طَلَبًا لِّلْمَهْرَبِ فَهَلْ كَانَ لَهُمْ مَحِيْصٌ مِنَ الْمَوْتِ. [ج: ١، تاج: ٤٩٢]

''انہوں نے شہروں کو پھاڑا وہ ان میں جائے پناہ تلاش کرنے کے لیے چل نکلے تو کیا ان کو موت سے بچنے کے لیے پناہ گاہ مل گئی؟''

قوموں کی تباہی اور ان کے زوال کی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ جب ان پر اللہ کا عذاب آتا تو جو اس عذاب سے بچ جاتے وہ اِدھر اُدھر جان بچانے کے لیے وہاں سے نکل پڑتے تھے۔ ایک دوسرا مفہوم جسے امام قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ ''نقب فی الأرض'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ شہروں میں رزق اور کاروبار کی تلاش میں نکلے، اور تم سے زیادہ وہ شہروں میں گھومے پھرے اور ان شہروں میں انہوں نے اپنے آثار چھوڑے، کیا وہ اللہ کے فیصلے سے بچ سکے اور ان کا یہ جاہ وجلال انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکا؟ تم سے ہر لحاظ سے زیادہ شان وشوکت رکھنے والے جب ہماری گرفت سے بچ نہیں پائے تو تمہاری ان کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے؟ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ قرآنِ مجید ہی میں ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا ﴾ [الروم: ٩]

''کیا یہ لوگ زمین میں کبھی چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، انہوں نے زمین کو خوب ادھیڑا تھا اور اسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انہوں نے نہیں کیا۔''

﴿ اَثَارُوا الْاَرْضَ ﴾ سے مراد زمین کا ادھیڑنا اور پھاڑنا ہے جس میں ہل چلانا اور زمین کھود کر نہریں اور معدنیات نکالنا اور پہاڑ کھود کر گھر بنانا سب شامل ہیں، تعمیر وترقی اس پر مستزاد ہے۔ جب وہ اپنی اس قدر شان وشوکت، قوت وطاقت کے باوجود اللہ کے عذاب

سے بچ نہیں سکے تو تمہاری ان کے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے؟
یہی مفہوم قرآنِ مجید میں کئی مقام پر بیان ہوا ہے، ملاحظہ ہو: القصص (۷۸)، فاطر (۴۴)، غافر (۲۱،۸۲)، محمد (۱۳)۔

ایک اور مفہوم یہ ہے کہ ﴿ فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ﴾ سے مراد یہ ہے وہ اپنی شوکت وسطوت کی بنا پر دوسرے شہروں میں دندناتے ہوئے دور دور تک پہنچے، ملک بہ ملک انہوں نے فساد مچایا اور ان ملکوں میں بھی اپنی سرداری اور حکمرانی کا سکہ چلایا۔ [رازی، آلوسی]

لیکن اس کے باوجود کیا وہ ہماری پکڑ سے بچ سکے؟

﴿ فَنَقَّبُوْا ﴾ ایک قراءت میں ﴿ فَنَقِّبُوْا ﴾ یعنی بصیغۂ امر ہے اور مفہوم یوں ہے:

کہ اہل مکہ! ان لوگوں کی بستیوں کی طرف چلو، اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ کیا وہ ہمارے عذاب سے بچ سکے۔ ان قوموں کی سرگزشت باعث عبرت ہے، بشرطیکہ عبرت حاصل کرنے والا دل ہو اور متوجہ ہو کر سننے والے کان ہوں۔

''قلب''، یعنی دل، ظاہر ہے کہ یہاں بیدار اور صحیح دل مراد ہے، ورنہ ہر انسان کے پہلو میں دل تو دھڑکتا ہے، مگر کچھ دل مریض ہوتے ہیں، کچھ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں اور کوئی بات ان پر اثر پذیر نہیں ہوتی، جیسے فرمایا:

﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ [الاعراف: ۱۷۹]

''ان کے دل ہیں لیکن ان سے سوچتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔''

یہی بات ایک اور جگہ ارشاد فرمائی ہے:

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾ [الحج: ٤٦]

''کیا یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے نہیں (کاش کہ) ان کے دل سمجھنے والے ہوتے یا ان کے کان سننے والے ہوتے (تو ان سے عبرت حاصل کر لیتے) حقیقت یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ وہ دلوں کے اندھے ہیں جو سینے میں ہیں۔''

قرآنِ مجید نصیحت وعبرت ہے، مگر ان کے لیے جن میں یہ اوصاف پائے جائیں۔

۱: بیدار دل: اگر دل زندہ نہیں تو نصیحت اثر نہیں کرے گی یہ پہلی اور بنیادی شرط ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ [يسين: ٦٩، ٧٠]

''یہ تو ایک نصیحت ہے اور قرآن مبین ہے تا کہ ہر اس شخص کو خبردار کر دے جو زندہ ہے۔''

مراد یہاں بھی زندہ دل ہے جو غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۲: مائل کان: اگر دل کی یہ کیفیت نہیں اور اس میں اتنی صلاحیت ہی نہیں تو کم از کم یہ تو ہو کہ اگر اسے کوئی بات سنائے تو توجہ سے اسے سنے اور اس میں طلب صادق ہو کہ کوئی بات سننے سے رہ نہ جائے، پورے انہماک سے اسے سننے والا ہو، اگر سننے کا داعیہ ہی نہ ہو تو بات کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو مؤثر کیوں کر ہو گی؟

۳: اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ اس کا قلب وذہن بھی متکلم کے ساتھ ہو اور ''شہید'' حاضر ہو، یعنی وہ حاضر دل ودماغ لیے بیٹھا ہو، غافل اور غائب قلب وذہن ہو گا تب بھی عبرت حاصل نہیں ہو گی، اگر سننے کے لیے بیٹھا ہو، مگر دل ودماغ حاضر نہیں تو بسا اوقات پاس سے گزرنے والے کا احساس نہیں ہوتا، چہ جائیکہ عبرت وموعظت کی بات کا احساس ہو۔ قریش کو بھی اسی لیے قرآنِ مجید سے عبرت حاصل نہیں ہوئی کہ ان کا دل ہی بیمار، بلکہ مردہ تھا۔ قرآنِ مجید سننے سے اجتناب کرتے اور دوسروں کو بھی سننے سے روکتے تھے، چناں چہ فرمایا:

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴾ [حٰمٓ السجدة : ٢٦]

''اور کفر کرنے والوں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے بیچ شور کرو تا کہ تم غالب رہو۔''

بلکہ نضر بن حارث تو فارس سے لونڈیاں اور وہاں کے قصص وکہانیاں خرید کر اسی لیے لایا کہ اگر محمد ﷺ قرآن سنائیں تو مقابلے میں مجرے کی محفل سجائی جائے اور لوگوں کو محمد ﷺ کے پاس جانے سے مشغول رکھا جائے۔لہٰذا جب ان کی سرگرمیاں یہ ہیں تو قرآن ان کے لیے باعث عبرت کیسے بنتا؟

ان آیات میں جہاں موعظت ونصیحت حاصل کرنے کے کچھ آداب بیان ہوئے ہیں وہاں ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی کا ایک پہلو بھی ہے کہ شب وروز آپ کے قرآنِ مجید سنانے سے اگر متوقع نتائج نہیں نکل رہے تو اس کے پس پردہ یہ اسباب ہیں کہ وہ اسے عبرت کے جذبے سے سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔

ضروری اعلان

قارئین الاعتصام کے لیے خوش خبری ہے کہ روز مرہ کے مسائل واحکام جاننے اور فتویٰ حاصل کرنے کے لیے ہفتے میں ایک دن (بدھ وار) کو حضرت مولانا مفتی عبید اللہ عفیف حفظہ اللہ (مفتی جماعت اہل حدیث پاکستان) دفتر الاعتصام میں تشریف لایا کریں گے۔ان شاء اللہ

جو احباب کرام کوئی مسئلہ یا فتویٰ حاصل کرنا چاہیں وہ سوال کو لکھ کر لائیں اور جو احباب زبانی پوچھنا چاہیں وہ مختصر ملاقات کے لیے بعد نماز ظہر تشریف لایا کریں۔[ادارہ الاعتصام]

سالانہ اہل حدیث کانفرنس (ماموں کانجن)

سابقہ شاندار روایات کے مطابق جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع فیصل آباد کی سالانہ اہل حدیث کانفرنس ۱۸، ۱۹ مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ منعقد ہوگی۔ احباب جماعت اس علمی، تحریکی اور مسلکی کانفرنس کی تیاریاں ابھی سے شروع کردیں۔ ملک بھر سے شیوخ الحدیث، ممتاز وجید علمائے کرام، سیاسی قائدین اور مبلّغین خطاب کریں گے۔

[صدر وانتظامیہ، جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن]

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: قول الرجل: ((فداك أبي وأمّي))

کسی کو کہنا تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں

۸۲۷ . عن عبد اللّٰه بن شداد قال سمعتُ علياً رضي اللّٰه عنه يقولُ: ما رأيتُ النّبيَّ ﷺ يُفَدّي رجلاً بعدَ سعدٍ، سمعتُهُ يقولُ: ((ارمِ، فِدَاكَ أَبِي وأُمِّي)) [صحيح البخاري]

"عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علی سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت سعد کے بعد کسی اور کے لیے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا، تیر چلاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔"

فائدہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کمال سعادت پر دلیل ہے۔ رہے حضرتؐ تو ان پر ہمارے سارے اباء اجداد، گومسلمان ہوں، فدا ہوسکتے ہیں۔"

۸۲۸ . عن عبدِ اللّٰه بن بُريدة عن أبيه: خرجَ النَّبيُّ ﷺ إلَى الْمَسْجِدِ - وأبو موسىٰ يَقْرَأُ - فقالَ: ((مَنْ هٰذَا؟)) فقلتُ: أنا بُريدةُ جُعِلْتُ فِدَاكَ، قَالَ: ((قَدْ أُعْطِيَ هٰذَا مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ.)) [صحيح]

"حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے ابوموسیٰ قرآن مجید پڑھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا: میں بریدہ ہوں۔ آپ پر قربان جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو لحن داؤدی میں سے ایک لحن دیا گیا ہے۔"

فائدہ: ان کی خوش آوازی کی تعریف کی۔

باب: قول الرجل: ((يا بني)) لمن أبوه لم يدرك الإسلام

کسی کو بیٹا کہہ کر بلانا جس کے باپ نے اسلام کو نہ پایا ہو

۸۲۹ . عن الصّعب بن حكيم عن أبيه، عن جدِّهِ قال: أتيتُ عمرَ بنَ الخطّابِ رضي اللّٰه عنه فجعَلَ يقُولُ: يا ابْنَ أخِي، ثُمَّ سَأَلَنِيْ، فانسبتُ لهُ، فعرفَ أنّ أبي لم يُدْرِكِ الْإِسْلَامَ فَجَعَلَ يقولُ: يَا بُنَيَّ يا بُنَيَّ.

[ضعيف الإسناد موقوف]

"صعب بن حکیم عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس آیا انہوں نے مجھے اے میرے بھائی کے بیٹے کہہ کر پکارا پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا میں نے اپنا نسب بتایا تو انہیں معلوم ہوا کہ میرے باپ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس کے بعد وہ مجھے اے میرے بیٹے اے میرے بیٹے کہنے لگے۔"

۸۳۰ . عن أنسٍ يقولُ: كنتُ خَادِمًا لِلنَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فكنتُ أدْخُلُ بغيرِ استِئذان، فجئتُ يوماً فقالَ: ((كما أَنْتَ يَا بُنَيَّ، فَإِنَّهُ قَدْ حَدَثَ بَعْدَكَ أمرٌ: لَا تَدْخُلَنَّ إلَّا بِإِذْنٍ.)) [صحيح]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی علیہ السلام کا کادم تھا اور

میں ان کی خدمت میں بغیر اجازت آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اے بیٹے ٹھہر جا۔ تیرے بعد ایک بات ہوئی ہے اس لیے بغیر اجازت اندر نہ آیا کرو۔''

٨٣١ . عن ابن أبي صَعْصَعَة ، عن أبيه ، أنّ أبَا سعيدٍ الخدريّ قالَ لهُ: يا بُنَيَّ .

[صحيح الإسناد موقوف]

''ابن ابی صعصعہ ؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ نے انہیں ''اے میرے بیٹے'' کہا۔''

باب: لا يقل: خبثت نفسي

یہ نہ کہو کہ میرا نفس خبیث ہوگیا ہے

٨٣٢ . عن عائشةَ رضي الله عنها، عن النَّبيِّ ﷺ قالَ: ((لا يَقُوْلَنَّ أحدُكُمْ: خَبُثَتْ نَفْسي، ولٰكِنْ لِيَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي.)) [صحيح البخاري]

''حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی ہرگز یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہوگیا ہے۔ بلکہ اس طرح کہے کہ میرا دل سخت ہوگیا ہے۔''

٨٣٣ . عن أبي أُمامةَ بْن سَهْلِ بنِ حُنَيْفٍ، عن أَبِيْهِ، عن رسولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((لا يَقُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي، وليَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي.)) قال محمّدٌ: أسندَهُ عقيلٌ.

[صحيح]

''ابوامامہ اپنے باپ سے مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز یوں نہ کہے کہ میرا نفس دل خبیث ہوگیا ہے۔ بلکہ اس طرح کہو میرا نفس دل سخت ہوگیا ہے۔ محمد نے کہا عقیل نے اس حدیث کو مسند بیان کیا ہے۔''

باب: كنية أبي الحكم

ابوالحکم کنیت کا بیان

٨٣٤ . شريح بن هانيءُ قال حدثني هاني بنُ يزيدٍ، أنه لمّا وفدَ إلى النَّبِيِّ معَ قومِهِ فَسَمِعَهُمُ النَّبِيُّ وَهُمْ يكَنُّوْنَهُ بِأبي الْحَكَمِ، فَدَعَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فقالَ: ((إنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَإليهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تَكَنَّيْتَ بأَبِي الحَكَمِ؟)) قَالَ: لا، وَلٰكِنَّ قَومِيْ إذا اخْتَلَفُوْا فِيْ شيءٍ أَتَوْنِيْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ، فَرَضِيَ كِلا الْفَرِيْقَيْنِ، قَالَ: ((مَا أَحْسَنَ هٰذَا!)) ثُم قال: ((مَا لَكَ مِنَ الوَلَدِ؟)) قلتُ: لِي شُرَيْحٌ وعبدُ اللّٰهِ ومُسْلِمٌ بَنُو هَانيء، قال: ((فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ؟)) قلتُ: شُرَيْحٌ قال: ((فأنتَ أبو شُرَيْحٍ)) ودَعَا لَهُ ولولدِهِ. وسمعَ النَّبِيَّ [قومًا] يسمّونَ رجلاً منهم عبدَ الحَجَرِ، فقالَ النبي: ((مَا اسْمُكَ؟)) قال: عبدُ الحَجَرِ قالَ: ((لَا أَنْتَ عَبْدُ اللّٰهِ.))

قال شُرَيْحٌ: وإنْ هانئاً لمّا حضرَ رُجُوعَهُ إلى بلادِهِ أتَى النَّبِيَّ فقالَ: أخبرني بأيِّ شيءٍ يُوجِبُ لِيَ الجَنَّةَ؟ قال: ((عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وبذْلِ الطَّعَامِ.)) [صحيح]

''حضرت شریح بن ہانی فرماتے ہیں کہ ہانی بن یزید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ نے وفد کے لوگوں سے سنا وہ ان کو ابوالحکم کی کنیت کے ساتھ پکارتے ہیں آپ ﷺ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ وہی حکم ہے اور اسی کی طرف حکم

لوٹتا ہے (یعنی اسی کا حکم چلتا ہے تو نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں رکھی ہے) تو انہوں نے عرض کیا میں نے خود نہیں رکھی بلکہ جب میری قوم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہوجاتا وہ دونوں فریق میرے پاس آتے تو میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا جس پر وہ دونوں فریق راضی ہوجاتے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہی اچھی بات ہے پھر آپ نے فرمایا تیرے کتنے بیٹے ہیں میں نے کہا شریح۔ عبداللہ و مسلم بنو ہانی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے۔ میں نے عرض کیا شریح۔ آپ نے فرمایا تو ابوشریح ہے آپ نے اس کے لیے اور اس کے بیٹوں کے لیے دعا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک قوم سے سنا کہ ان میں سے ایک آدمی کا نام عبدالحجر ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کیا عبدالحجر۔ آپ نے فرمایا نہیں، تیرا نام عبداللہ ہے۔ شریح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب ہانی رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی طرف رخصت ہونے لگے تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس سے میرے لیے جنت لازم ہوجائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھی کلام کیا کرو اور لوگوں کو کھانا کھلایا کرو۔''

باب: کان النبی ﷺ یعجبه الاسم الحسن

رسول اللہ ﷺ اچھے نام پسند فرماتے تھے

٨٣٥ . عـن أبـي حَـدْرَد قـال: قـال النَّبِيُّ ﷺ: ((مَـنْ يَسُـوْقُ إبلنَا هٰذهِ؟)) أو قالَ: ((مَنْ يُبَلِّغُ إبـلـنَـا هٰذهِ؟)) قـال رجلٌ: أنـا، فقـالَ: ((مـا اسْمُكَ؟)) قال: فلانٌ، قال: ((اِجْلِسْ)) ثم قام آخـر فقال: ((ما اسْمُكَ؟)) فقال: فلانٌ، فقال: ((اجلـسْ)) ثـم قـام آخـر، فقـال: ((مـا اسْمُكَ؟)) قـال: نـاجيَةُ، قـال: ((أنـتَ لهـا فَسُقْهَا)) . [ضعيف]

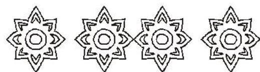
''حضرت ابوحدرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون شخص ہمارے ان اونٹوں کو ہانک کر لے جائے گا یا فرمایا کون ہمارے ان اونٹوں کو پہنچائے گا ایک شخص نے عرض کیا میں لے چلوں گا۔ آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں نام ہے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا تو آپ نے اس سے بھی نام پوچھا تو اس نے کہا فلاں نام ہے فرمایا بیٹھ جاؤ پھر ایک اور تیسرا آدمی کھڑا ہوا اس سے بھی نام پوچھا تو اس نے کہا میرا نام ناجیہ ہے۔ آپ نے فرمایا تو اس کام کے لیے موزوں ہے تو ان کو ہانک کر حرم تک لے چل۔''

باب: السرعة فی المشی

تیز رفتاری کا بیان

٨٣٦ . عـن ابـن عبّاسٍ قال: أقبلَ نبيُّ اللّٰهِ ﷺ مُسْـرِعًـا ونـحـنُ قُـعُـودٌ، حتى أفزعَنَا سرعتهُ إليـنَـا، فـلـمَّـا انتهٰى إلينَا سلَّمَ، ثم قالَ: ((قد أقبـلـتُ إليـكُـمْ مُسْرِعًا لأخبرَكُمْ بليلةِ القَدْرِ، فَـنَسيتُهـا فيـمـا بيـنِي وبَيْنَكُمْ، فالْتَمِسُوهَا في العَشْرِ الأوَاخِرِ)) . [صحيح]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام ہمارے پاس تیز تیز چلتے ہوئے آئے ہم بیٹھے ہوئے تھے ہم گھبرا گئے جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا میں اس لیے تیز تیز آیا ہوں کہ تم لوگوں کو شب قدر کے متعلق بتاؤں کہ کب ہے لیکن میں تمہارے پاس آنے تک بھول گیا۔ اب تم لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔''



علوم الحدیث

قسط نمبر ۲

سنت ترکیہ اور بدعت

حافظ رضوان عبداللہ (ریسرچ فیلو ''دارالسلام'' لاہور)

۲۔ عادات:

عادات میں اصل یہ ہے کہ عادی اور جبلی امور مباح اور جائز ہیں جب تک ان کی حرمت کی دلیل نہ آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ [البقرة: ۲۹]

''اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الأصل فى العادات أن لا يخطر منها إلا ما حظره الله . [مجموع الفتاویٰ: ۲۹/۱۶،۱۷]

''عادات میں اصل یہ ہے کہ صرف وہی عادی امور ممنوع ہیں جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔''

لہٰذا جبلی اور عادی افعال کی حرمت کے بارے جب تک دلیل نہیں آتی وہ حلال اور مباح ہیں۔

سنت ترکیہ اور عبادات کی صورتیں:

جب ہم شریعت میں عبادات سے متعلقہ احکام کا مطالعہ کرتے ہیں تو دو طرح کے احکام ہمارے سامنے آتے ہیں:

ا۔ غیر معقول المعنی:

اس سے مراد ایسے احکام ہیں جن کی علتوں کا ادراک ہمارے فہم سے بالاتر ہے۔ ان افعال کو بالکل اسی طرح ترک کرنا واجب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا اور اگر ہم ان کا ارتکاب کریں گے تو وہ عین بدعت ہوگا کیوں کہ اس سنت ترکیہ پر عمل کرنے والے کا مقصد اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے اور یہ سب (تقرب الٰہی) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھا جب رسول اللہ ﷺ نے سب کے پائے جانے کے باوجود اس فعل کو نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل قرب اور عبادت نہیں بلکہ بدعت اور مردود ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

فأما ما تركه من جنس العبادات مع أنه لو كان مشروعاً لفعله أو أذن فيه ولفعله الخلفآء بعده والصحابة فيجب القطع بأنه بدعة وضلالة . [القواعد النوارنية، ص: ۱۲٤، مجموع الفتاویٰ: ۲٦/۱۷۲]

''عبادات میں سے جن کو رسول اللہ ﷺ نے ترک کیا اگر وہ متروک عبادات جائز ہوتیں تو آپ ﷺ ان کو ضرور سرانجام دیتے یا آپ اس کی اجازت دے دیتے اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اس پر عمل کرتے، (جب ایسا نہیں ہے) تو قطعی طور پر وہ فعل بدعت اور ضلالت ہے۔''

اس کی مزید وضاحت ایک مثال سے بھی کی جا سکتی ہے کہ فرض نمازوں کے لیے اذان مشروع ہے اور عیدین کے لیے نبی ﷺ نے اذان کا حکم نہیں دیا۔ اب عیدین کے لیے اذان کیوں نہیں؟ اس کی علت غیر معقول المعنی ہے، اسی لیے اگر کوئی شخص عیدین کے لیے اذان کہے گا تو وہ عین بدعت کا مرتکب ہوگا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

فلما أمر بالأذان للجمعة وصلى العيدين بلا أذان ولا إقامة دل تركه على أن ترك الأذان هو السنة فليس لأحد أن يزيد فى ذلك بل الزيادة

فیہ کالزیادۃ فی أعداد الصلوات وأعداد الرکعات ....

[اقتضاء الصراط المستقیم، ص: ۱۳٤]

''جب شارع نے جمعہ کے لیے اذان کا حکم دیا ہے اور عیدین کی نماز بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ادا کی ہے تو آپ کا ترک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عیدین میں اذان کا ترک کرنا ہی سنت ہے، اب کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس میں اضافہ کرے، اس میں اضافہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے نمازوں کی تعداد میں اور رکعات کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے۔''

اس کی وضاحت اور بھی بے شمار مثالوں سے کی جاسکتی ہے، یہاں پر مقصود اصول بیان کرنا ہے کہ جن غیر معقول المعنی عبادات کو شارع نے ترک کیا ہے ان کا ترک کرنا ہی سنت ہے اور ان پر عمل کرنا عین بدعت ہے۔

۲۔ معقول المعنی:

اس سے مراد وہ افعال ہیں جن کی علت کا ادراک انسانی عقل کرسکتی ہے، چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایسا کوئی سبب سامنے نہیں آیا جس کی بنا پر اس فعل کو سرانجام دیا جاتا یا پھر کوئی مانع موجود تھا جس کی وجہ سے اس کا ظہور نہیں ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب اس فعل کا سبب ظاہر ہوا یا وہ مانع دور ہوگیا تو پھر اس کا حل شریعت کے اصول اور کلی قواعد کی روشنی میں تلاش کیا جائے گا۔ اگر ان کا حل شریعت میں مل جائے تو پھر وہ منصوص علیہ کی طرح ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس قسم کو مسکوت عنہ کا نام دیا گیا ہے حالاں کہ یہ مسکوت عنہ نہیں ہے بلکہ منصوص ہے یا منصوص پر قیاس ہے یا نصوص کے عموم میں شامل ہے کیوں کہ شریعت کے قواعد ومقاصد اس کے حکم پر دلالت کرتے ہیں۔'' [الموافقات: ۱/۱۷۳]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والترک الراتب سنة کما ان فعل الراتب سنة بخلاف ما کان ترکه لعدم مقتض او فوات شرط اور وجود مانع وحدث بعده من المقتضیات والشروط وزوال المانع ما دلت الشریعة علی فعله حینئذ کجمع القرآن فی المصحف .... [مجموع الفتاویٰ: ۱۷۲/۲٦]

''رسول اللہ ﷺ کا کسی فعل کو ہمیشہ چھوڑنا بھی سنت ہے اور کسی فعل کو ہمیشہ کرنا بھی سنت ہے (ہمارے لیے سنت ترکیہ میں ترک کرنا سنت ہے اور سنت فعلیہ میں عمل کرنا سنت ہے) البتہ وہ افعال جن کو اسباب وشرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے یا مانع کے پائے جانے کی وجہ سے ترک کیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ اسباب وشرائط پائی گئیں یا موانع دور ہوگئے اور شریعت میں اس فعل کے کرنے کی دلیل موجود ہے تو پھر اس سنت ترکیہ پر عمل کرنا خلافِ سنت نہیں ہے، جیسا کہ مصاحف میں قرآنِ حکیم کو جمع کرنے کا مسئلہ......۔''

یہ مسئلہ بظاہر پیچیدہ سا ہے اور بہت سے لوگ یہاں چوک گئے اور اس کو بدعات میں شمار کردیا اور پھر جب ان کے سامنے جمع القرآن جیسے مسائل آئے تو پھر وہ بدعات کی واجب، مستحب اور مباح جیسی تقسیم میں پڑ گئے۔

درحقیقت میں یہ مصالح مرسلہ کی ایک صورت ہے جس کی اصل شریعت میں موجود ہے اور شریعت کے کلی قواعد اس کو شامل ہیں۔ آخر میں ہم بدعت اور مصالح مرسلہ کے مابین فرق کو واضح کریں گے تاکہ ان کے التباس سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوسکے۔

ایک دوسرے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اجتہاد کا دروازہ بھی انہیں احکام کی طرف کھلتا ہے جب ان فروعی احکام کی علتیں معلوم ہوجاتی ہیں تو پھر ان پر قیاس کرکے دیگر افعال کا حکم شریعت میں تلاش کیا جاتا ہے اور اگر پیش آمدہ مسائل کی علل سابقہ بیان کردہ شرعی احکام کی علل

کے موافق ہوں تو دونوں کو منصوص علیہ ہی شمار کیا جائے گا جیسا کہ امام شاطبی کے حوالے سے گزر چکا۔

البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ جن پیش آمدہ مسائل کا حکم شریعت میں موجود نہ ہو اور ان کو شریعت کا حصہ قرار دے دیا جائے تو اگر چہ وہ معقول المعنی ہیں، بدعات کے زمرے میں چلے جائیں گے کیوں کہ کسی فعل کو عبادت کا رتبہ دینا شارع کا حق ہے جب اس کے بارے میں شریعت کلی طور پر خاموش ہے تو وہ فعل عبادت نہیں ہے اور اگر ہم اس کو عبادت کا درجہ دیں گے تو وہ بدعت ہے۔

سنت ترکیہ اور عادات کی خاص صورت:

پیچھے گزر چکا کہ عادی امور مباح ہیں جب تک ان کی حرمت کی دلیل نہیں مل جاتی وہ جائز ہیں لیکن اگر ان عادی امور میں تقرب پایا جائے اور شریعت کے التزام کے بغیر کسی چیز کی پابندی کر کے اس پر اجر وثواب کی امید رکھی جائے تو یہ بھی بدعت ہے۔

مثال کے طور پر گفتگو کرنا اور خاموش رہنا دونوں مباح ہیں۔ لیکن اگر کوئی خاموش رہنے کو عبادت سمجھے اور اس پر اجر وثواب کی امید رکھے اور اس کو سنت قرار دے تو اس اعتبار سے اس کا یہ عمل بدعت ہوگا۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ابو اسرائیل نامی ایک شخص نے نذر مان لی کہ وہ گفتگو نہیں کرے گا، سایہ میں بیٹھے گا نہیں، روزہ افطار نہیں کرے گا اور ہمیشہ کھڑا ہی رہے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مره فليتكلم وليقعد وليستظل وليتم صومه .

[صحيح البخاری: ٦٧٠٤]

''اس کو حکم دو کہ کلام کرے، بیٹھ جائے، سایہ میں چلا جائے اور روزہ مکمل کرنے کے بعد افطار کرے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فاما الصمت الدائم فبدعة منهى عنها .

[مجموع الفتاویٰ: ۱۱/۲۰۰]

''ہمیشہ خاموش رہنا بدعت ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔''

لہٰذا جو مباح امور ہیں ان کو مباح سمجھ کر کرنا چاہیے عبادت سمجھ کر نہیں کرنا چاہیے۔

سنت ترکیہ کے دلائل:

سنت ترکیہ کی حجیت کے چند دلائل یہاں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱: صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمارہ بن رویبۃ رضی اللہ عنہ نے بشر بن مروان کو منبر پر (خطبہ کے دوران) دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو کہا:

قبح الله هاتين اليدين لقد رأيت رسول الله . ما يزيد على ان يقول بيده هكذا واشار باصبعه المسبحة . [مسلم، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ: ۲۰۱۶]

''اللہ ان ہاتھوں کو ہلاک کرے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ انگلی کے اشارے سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔''

تو اس میں سیّدنا عمارۃ نے سنت ترکیہ کو دلیل بنا کر بشر کے فعل کا انکار کیا۔ ہاتھوں کو نہ اٹھانا سنت ترکیہ ہے، صحابی نے اسی کو بنیاد بنا کر بشر کے اس عمل کا انکار کیا۔

۲: صحیح بخاری کی روایت ہے کہ تین آدمی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت کا طریقہ دریافت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا۔ انہوں نے کہا: ہمیں تو نبی ﷺ سے بڑھ کر عبادت کرنی چاہیے، چناں چہ ایک نے ہمیشہ روزہ رکھنے، دوسرے نے ساری رات قیام کرنے اور تیسرے شادی نہ کروانے کی قسم اٹھا لی۔ رسول اللہ ﷺ کو پتا چلا تو آپ نے ان کے اس فعل کا انکار کیا اور فرمایا:

فمن رغب عن سنتي فليس منى .

[البخاری: ۵۰۳۰]

''جس نے میرے طریقے سے منہ پھیرا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

اس حدیث کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی سنت ترکیہ یہ تھی کہ

ساری قیام نہ کرنا، ہمیشہ روزے نہ رکھنا اور شادی سے نہ بھاگنا لیکن ان صحابہ نے اس کو دلیل نہیں سمجھا اور اس کے خلاف عمل شروع کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا انکار کیا۔

۳: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ مسجد میں کچھ لوگ حلقوں کی شکل میں بیٹھے ہیں، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ایک آدمی ان کو ذکر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ قصہ مختصر سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد جاتے ہیں اور ان کا یہ فعل دیکھ کر کہتے ہیں:

والذی نفسی بیده! انکم لعلی ملة اهدیٰ من ملة محمد او مفتحوا باب ضلالة۔ قالوا واللّٰه یا ابا عبدالرحمن! ما اردنا الا الخیر۔ قال: وکم من مرید للخیر لن یصیبه ....

[سنن الدارمی: ۱/۷۹]

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یا تو تم رسول اللہ ﷺ کے دین سے زیادہ ہدایت یافتہ دین پر ہو یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو۔ انہوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم! ہمارا صرف خیر کا ارادہ ہے۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کتنے ہی خیر کا ارادہ کرنے والے اس کو پانہیں سکتے۔''

اس حدیث میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کا انکار کرنے میں یہی دلیل پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام نہیں کیا اور یہی سنت ترکیہ ہے۔

۴: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کل عبادة لا یتعبدها اصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها فان الاوّل لم یدع للاٰخر مقالا .

[الاعتصام للشاطبی: ۲/۱۳۲]

''جس عبادت کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے نہیں کیا اسے تم بھی نہ کرو، پہلے لوگوں نے بعد میں آنے والوں کے لیے گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔''

۵: حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چھینک ماری اور کہا:

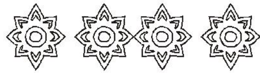
الحمد لله والسلام علی رسول اللّٰه .

تو حضرت ابن عمر نے کہا:

لیس هکذا علمنا رسول اللّٰه ﷺ علمنا ان نقول الحمد للّٰه علی کل حال . [جامع ترمذی: ۲۷۳۸، المستدرک للحاکم: ۴/۱۲۶۵]

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس طرح نہیں سکھایا بلکہ ہمیں سکھایا ہے کہ ہم ہر حال میں ''الحمدللہ'' کہیں۔''

ان کے علاوہ اور بھی بے شمار دلائل ہیں جن سے سنت ترکیہ کی حجیت ثابت ہوتی ہے، ان سب کا حصر مقصود نہیں۔



تحقیق وتنقید

قسط نمبر ①

قرآن کی حقانیت بائبل کا منہ بولتا ثبوت

خاور رشید بٹ (دار العلوم المحمدیہ لوکو ورکشاپ، مغل پورہ۔ لاہور)

سیّدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ نبی اور پیغمبر ہیں۔ ان کی تمام زندگی سے اللہ تعالیٰ کی قدرت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے، ان کی پیدائش عام اصول سے ہٹ کر تھی، والدہ کی گود میں ہی باتیں کرنا جو محض قدرت الٰہیہ کا مظہر تھا۔ اسی طرح جب دشمنوں نے انہیں پکڑنا چاہا اور صلیب دے کر ایک طرف تو ان سے چھٹکارا چاہا اور دوسری طرف ان کی نبوت کو بھی داغدار کرنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت نے جوش مارا اور زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔

ان کے نظریہ کے مطابق سولی پر لٹکنے والا انسان لعنتی ہوتا ہے اور ایسا آدمی نبوت کا حق دار کیسے رہ سکتا ہے؟ لیکن پولوسی عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں میں کسی مرض کی طرح بڑھتا گیا اور آج ہمیں جو عیسائیت نظر آتی ہے اس میں کفارہ، کو بنیادی حیثیت حاصل ہو چکی ہے، یعنی پولوس نے آکر یہ تسلیم کر لیا کہ واقعی حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا اور جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہوتا ہے لیکن انہوں نے تمام بنی نوع انسان کے والدین سے سرزد ہونے والے ازلی گناہ کی معافی کے لیے یہ لعنتی موت قبول کی۔ لہٰذا جو اس عقیدے کو نہیں مانے گا وہ خدا کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو سکے گا، وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جب ہم حقیقت حال کو جانچتے ہیں تو ہمیں یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ واقعہ صلیب ہوا ضرور ہے لیکن حضرت مسیح کے ساتھ نہیں بلکہ کسی اور کے ساتھ۔ گو یہ نظریہ عیسائیت کے ابتدائی دور میں موجود تھا اور اس کا پیشوا ''بارسلید'' تھا جس کی نسبت سے اس فرقہ کو ''بارسلیدیہ'' کہا جاتا ہے۔

[تفسیر ماجدی، ص:۲۲۸، حاشیہ ۸۱۵، تصلیب مسیح، ص:۵]

اسی طرح دوسیتی یا متخیلہ فرقہ بھی یہی کہتا ہے۔

[عیسائیت، ص:۷۰، از ساجد میر صاحب]

لیکن مسیحیت پر پولوسیت غالب آتی رہی یہاں تک کہ اس طرح کے نظریات کے حاملین یا تو ختم ہو گئے یا پھر اندھیروں میں گم ہو گئے۔ لیکن دین اسلام نے آکر اس عقیدے کو نئے سرے سے اجاگر کیا اور اس کے لیے ایسی راہ متعین کر دی جس پر چل کر ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عیسائیت کا تصلیب مسیح کا عقیدہ ریت کی دیوار ہے۔ چناں چہ قرآن مجید نے فرمایا:

﴿ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ [النساء: ۱۵۷، ۱۵۸]

''اور ان (یہود) کے یہ کہنے کی وجہ سے (ان پر لعنت کی گئی) کہ بلاشبہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا جو اللہ کا رسول تھا حالاں کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا اور لیکن ان کے لیے اس (مسیح) کا شبیہ بنا دیا گیا اور یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے اس کے متعلق بڑے شک میں ہیں۔ انہیں اس کے متعلق گمان کی پیروی کے سوا کچھ علم نہیں اور انہوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

واضح ہوا کہ تصلیب مسیح والوں کے پاس کوئی یقینی دلیل نہیں بلکہ مشکوک اور ظنی باتیں ہیں۔ لہٰذا جب ہم موجودہ بائبل کو دیکھتے ہیں تو

جہاں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے وہاں ساتھ ہی قرآنِ مجید کے کلام الٰہی ہونے کا بھی بین ثبوت ملتا ہے، اس حوالے سے بائبل میں پائی جانے والی عبارات کو میں نے کئی پوائنٹس میں تقسیم کیا ہے جس سے روز روشن کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ تصلیب مسیح کا عقیدہ مشکوک اور ظن کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

۱۔ غلطی کی سزا:

کسی انسان سے غلطی ہوجانا اس کی انسانیت کی دلیل ہے لیکن اسے صحیح تسلیم کرنا یا اس پر ضد واصرار کرنا اس کے حیوان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اعلیٰ اور افضل مخلوق انبیاء علیہم الصلوٰت والسلام ہیں۔ اسی لیے ان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن اگر ان سے بھی کسی موقع پر لغزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی انسانوں کے لیے اعلیٰ نمونہ بنا دیا کہ انہوں نے فوراً جناب باری تعالیٰ کے حضور توبہ کی اور معافی کے طلب گار ہوئے۔ ابوالبشر سیّدنا آدم علیہ السلام اور سیّدہ اما حواء علیہا السلام سے پھل کھانے کی غلطی سرزد ہوئی تو احساس ہونے پر پکار اٹھے:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ [الاعراف: ۲۳]

''اے ہمارے ربّ ہم نے بڑا نقصان کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہوجائے گا۔''

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق اس دعا کی وجہ سے ان دونوں کو معافی مل گئی۔ [البقرۃ:۳۷]

لیکن عیسائیت میں اس کو ایک ازلی اور نسل در نسل چلنے والا گناہ قرار دیا گیا، چوں کہ تمام انسانیت اس گناہ میں ملوث تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے بے عیب برہ یعنی اپنا بیٹا اس سے چھٹکارے کے لیے قربان کیا۔ لیکن جب ہم عہد قدیم کی پہلی کتاب ''پیدائش'' پڑھتے ہیں تو ہمیں ہرگز یہ ازلی اور نسلوں میں منتقل ہونے والا گناہ نہیں ملتا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی بتایا گیا ہے کہ اس غلطی کی وجہ سے دونوں بزرگوں کو سزا دے دی گئی تھی۔ چناں چہ لکھا ہے:

پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور آدم سے اس نے کہا چوں کہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا اس لیے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا اور وہ تیرے لیے کانٹے اور اونٹکٹارے اگائے گی اور تو کھیت کی سبزی کھائے گا تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے۔ [پیدائش، باب:۳، فقرہ:۱۶۔۱۹]

ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو اس گناہ کی سزا بھی دے اور دوسری طرف اسے نہ مٹنے والا گناہ قرار دے، کیا یہ انصاف ہے؟ یہاں ایک اور سوال بھی ہے کہ اگر عیسائی مذہب کے مطابق جناب مسیح علیہ السلام نے سولی پر جان دے کر اس گناہ کی معافی کروالی ہے تو پھر آج تک عیسائی خواتین اور مرد اس سزا سے دوچار کیوں ہیں؟

۲۔ ہر جان اپنا بوجھ اٹھائے گی:

اسلامی نظریہ کے مطابق ہر انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کھایا، کسی کا گناہ دوسرے کے اوپر نہ ڈالا جائے گا البتہ اگر اس گناہ پر کسی نے لگایا تو یہ اپنا حصہ وصول کرے گا اور وہ اپنا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [البقرۃ: ۱۴۱]

''یہ ایک جماعت ہے تحقیق گزر چکی ہے ان کے لیے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کمایا اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الفاطر: ۱۸]

''کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔''

یہ اصول بالکل انصاف پر مبنی ہے اور عقل بھی اسے تسلیم کرتی ہے، بائبل بھی اس کے صحیح ہونے پر گواہی دیتی ہے۔ چناں چہ لکھا ہے:

بیٹوں کے بدلے باپ مارے نہ جائیں۔ نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے۔ [استثناء، باب:۲۴، فقرہ:۱۶۔ تواریخ نمبر۲، باب:۲۵، فقرہ:۴۔ سلاطین نمبر۲، باب:۱۴، فقرہ:۶]

اسی بات کو مثال سے یوں سمجھایا گیا: ان ایام میں پھر یوں نہ کہیں گے کہ باپ دادا نے کچے انگور کھائے اور اولاد کے دانت کھٹے ہوگئے۔ کیوں ہر ایک اپنی ہی بدکرداری کے سبب سے مرے گا۔ ہر ایک جو کچے انگور کھاتا ہے اسی کے دانت کھٹے ہوں گے۔

[یرمیاہ، باب:۳۱، فقرہ:۲۹۔۳۰]

کتاب میکاہ (باب:۶، فقرہ:۶،۷) میں استفہام انکاری کے انداز میں لکھا ہے کہ خدا کیسے خوش ہوگا۔ کیا میں اپنی اولاد کو اپنی جان کی خطا کے بدلہ میں دے دوں؟ یعنی اس طرح خوش نہیں ہوتا۔

ایک اور جگہ مزید وضاحت کے ساتھ لکھا ہے: اگر کوئی باپ غلط کاری کرے اور اس کے ہاں بیٹا پیدا ہو جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور آئین پر عمل کرے وہ یقیناً زندہ رہے گا۔ کیوں کہ جو جان گناہ کرتی ہے وہی مرے گی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ، صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے۔ [حزقی ایل باب:۱۸، فقرہ:۱۱۔۲۰]

ان حوالہ جات کے بعد نظریہ کفارہ کا غیر منطقی اور غیر اصولی ہونا بالکل عیاں ہے۔ مسیحی حضرات صحیح مسلم کی حسب ذیل روایات پیش کرکے کہتے ہیں کہ اسلام میں بھی ایک کے گناہ دوسرے کے ذمہ ڈالنے اور گنہگار کی جگہ دوسرا پکڑا جانے کا تصور موجود ہے۔ لہٰذا اگر مسیحیت میں ایسا نظریہ ہے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: جب روز قیامت ہوگا تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے سامنے ایک یہودی یا عیسائی پیش کرے گا اور فرمائے گا:

هٰذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ . [صحیح مسلم، رقم: ۲۷۶۷]

''یہ آگ سے تیرا چھٹکارا ہے۔''

اس سے آگے والی عبارت کی الفاظ ہیں:

لَا يَمُوْتُ مُسْلِمٌ اِلَّا اَدْخَلَ اللّٰهُ مَكَانَهُ النَّارَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا . [مسلم، ایضاً]

''نہیں کوئی مسلمان فوت ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی جگہ جہنم میں ایک یہودی یا عیسائی کو داخل کرتا ہے۔''

اس سے آگے والی روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاسٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِذُنُوْبٍ اَمْثَالِ الْجِبَالِ فَيَغْفِرُهَا اللّٰهُ لَهُمْ وَيَضَعُهَا عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فِيْمَا اَحْسِبُ اَنَا .

[صحیح مسلم، ایضاً]

''قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں جیسے گناہ لے کر آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے یہ گناہ معاف کردے گا اور ان کو یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا، جہاں تک مجھے گمان ہے۔''

یہ روایات بہ ظاہر ان کے موقف کی تائید کرتی ہیں۔ نیز مذکورہ بالا آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہیں، اسے سمجھنے کے لیے یہ اصول سامنے رکھیں کہ جس طرح بسا اوقات قرآنِ مجید کی تفسیر اور توضیح خود قرآن ہی کردیتا ہے اسی طرح بعض مرتبہ ایک حدیث کا مفہوم دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت حال ہے۔ چناں چہ پہلی دونوں روایات کے حوالے سے امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

ان کی تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں ہے۔ ہر شخص کی ایک منزل جنت میں ہے اور ایک منزل دوزخ میں ہے پس مومن جنت میں داخل ہوگا اور کافر دوزخ میں مومن والی جگہ بھی لے گا اپنے کفر کے سبب۔ لہٰذا یہ دخول بہ منزلہ فدیہ ہوگا۔

اور تیسری روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں: اس سے مراد وہ گناہ ہیں جنہیں ان یہودیوں اور عیسائیوں نے شروع کیا ہوگا، مسلمانوں کے گناہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کردے گا اور انہی جیسے گناہ

ان کفار پر لاد دیئے جائیں گے۔ کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ''جس نے کوئی برا کام جاری کیا اُس پر اس کا بوجھ ہوگا اور ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کریں گے۔''

[شرح مسلم نووی: ۲/۳۶۰، مطبوعہ نور محمد کراچی]

۳۔ گناہوں کی معافی کیسے؟

عہد نامہ قدیم میں لکھا ہے: اگر شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے ہیں باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا وہ نہ مرے گا وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں اس کے خلاف محسوب نہ ہوں گے وہ اپنی راست بازی میں جو اس نے کی زندہ رہے گا۔ [مزقی ایل باب:۱۸، فقرہ:۲۱،۲۲]

دوسری جگہ لکھا ہے: شفقت اور سچائی سے بدی کا کفارہ ہوتا ہے اور لوگ خداوند کے خوف کے سبب سے بدی سے باز آتے ہیں۔

[امثال باب:۱۶، فقرہ:۶]

کتاب یعقوب میں ہے: مگر اے نکمّے آدمی کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ایمان بغیر اعمال کے بیکار ہے ......غرض جیسے بدن بغیر روح کے مردہ ہے ویسے ہی ایمان بھی بغیر اعمال کے مردہ ہے۔

[یعقوب، باب:۲، فقرہ۲۰،۲۶]

مسیح علیہ السلام کی دعوت:

اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیوں کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔

[متی باب:۴، فقرہ:۱۷]

لوقا (باب:۱۵) میں جناب مسیح علیہ السلام کی توبہ کے حوالے سے تین بہترین امثلہ ذکر کی گئی ہیں۔ پہلی کے آخر میں ہے: میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی۔ [باب:۱۵، فقرہ:۷]

دوسری کے آخر میں ہے: میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث خدا کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے۔ [فقرہ:۱۰]

تیسری میں ہے: معافی مانگنے والے بیٹے کو باپ کہتا ہے، میرا یہ بیٹا مردہ تھا اب زندہ ہوا، کھو گیا تھا اب ملا ہے۔ [فقرہ:۲۴]

پولس کا ابتدائی نظریہ:

بلکہ پہلے دمشقیوں کو پھر یروشلیم اور سارے ملک یہودیہ کے باشندوں کو اور غیر قوموں کو سمجھاتا رہا کہ توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع لا کر توبہ کے موافق کام کریں انہی باتوں کے سبب سے یہودیوں نے مجھے ہیکل میں پکڑ کر مار ڈالنے کی کوشش کی۔

[اعمال باب:۲۸، فقرہ:۲۰،۲۱]

کیتھولک بائبل کا حوالہ:

جو اپنے باپ کی عزت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں کا کفارہ دیتا ہے اور ان سے باز رہتا ہے اور ہر روز اس کی دعا قبول کی جائے گی۔

[یشوع بن سیراخ، باب:۳، فقرہ:۴]

معلوم ہوا کہ از روئے بائبل گناہوں کی معافی توبہ، نیک اعمال اور شریعت کی پابندی کرنے سے حاصل ہوتی ہے یہ اصول فطرت کے بالکل عین مطابق ہے اور قرآنِ مجید بھی اسی پر زور دیتا ہے۔ چناں چہ جو لوگ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کو سچا ماننے کے باوجود تسلیم نہیں کرتے انہیں دائمی عذاب کی نوید سنانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ [آلِ عمران: ۸۹]

''مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور (اپنی) اصلاح کرلی تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

دوسری جگہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۠﴾ [النحل: ۱۱۹]

[باقی صفحہ نمبر ۲۰ پر]

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ①

عقیدۂ امامت

حافظ عطاء الرحمٰن علوی (مدرس دار العلوم المحمدیہ لوکوورکشاپ مغل پورہ۔ لاہور)

اللہ ذوالجلال والاکرام نے انسانوں کی ہدایت کے لیے شریعت نازل فرمائی اور انبیاء ورسل علیہم السلام کو مبلغ ومبین بنا کر مبعوث فرمایا۔ یہ سلسلہ چلتے چلتے نبی آخر الزماں تک پہنچا۔ آپ کی ختم نبوت کے ساتھ قیامت تک کے لیے آپ کی شریعت ہی راہ نما ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو عقائد، نظریات، اصول اور قانون دیے اس پر کاربند رہ کر ہی آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔ لیکن دشمنان اسلام نے، اسلام کا شیرازہ بکھیرنے اور اہل اسلام کو راہ حق سے ہٹانے کے لیے ایسے عقائد باطلہ کو رواج دیا جو شرک اور کفر پر مبنی تھے۔ پھر بعض لوگ اسلام کا لبادہ اوڑھے، تقیے کی چادر میں چھپے ہوئے انہی نظریات کو اپنی پہچان سمجھنے لگے۔ ان میں ایک گروہ ''امامیہ'' ہے، جنہوں نے اپنے مزعومہ ائمہ کے متعلق عجیب وغریب، دور از عقل نظریات قائم کر رکھے ہیں۔ کوئی بھی ذی شعور، انصاف پسند، عدل کے ترازو میں ان کو اسلامی نظریات سے تعبیر نہیں کرسکتا، انہی حضرات کی کتب سے اس نظریے کی وضاحت مقصود ہے تاکہ سادہ لوح آدمی اس سے آگاہ ہو کر ان نظریات اور ان کے حاملین سے اپنے دامن کو محفوظ رکھیں۔

۱۔ امامیہ کا تعارف:

شیعہ کا یہ غالی فرقہ ہے جس کا نظریہ ہے امامت صرف اولاد علی رضی اللہ عنہ میں جاری ہے اور ہر دور میں امام کا ہونا ضروری ہے اور یہ لوگ اخری زمانے میں ایک امام کے منتظر ہیں جس کو بارھواں امام کہتے ہیں۔ امام غائب اور قائم آل محمد، مہدی وغیرہ ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ گروہ علی رضی اللہ عنہ سے پہلے تینوں خلفاء کی خلافت وامامت کے منکر ہیں۔ ان کو اثنا عشریہ بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ بارہ ائمہ کی امامت کے قائل ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ علی بن ابی طالب۔ ۲۔ حسن بن علی۔ ۳۔ حسین بن علی۔ ۴۔ زین العابدین علی بن حسین۔ ۵۔ محمد بن علی الباقر۔ ۶۔ جعفر صادق۔ ۷۔ موسیٰ بن جعفر الکاظم۔ ۸۔ علی بن موسیٰ الرضا۔ ۹۔ محمد بن علی الجواد تقی۔ ۱۰۔ علی بن محمد الہادی النقی۔ ۱۱۔ حسن العسکری۔ ۱۲۔ محمد بن حسن المہدی۔

☆ ان کو جعفریہ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ فروعات میں یہ جعفر صادق کے پیروکار ہیں۔ رافضہ بھی اسی گروہ کا لقب ہے۔

۲۔ عقیدہ امامت کی اہمیت:

شیعہ گروہ کے نزدیک اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں سے ہٹ کر ''امامت'' کو اصول دین میں شامل کیا ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک دین اسلام کے پانچ ارکان ہیں: ''توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔'' اور نبی ﷺ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ جب کہ شیعہ کے نزدیک اصول دین یہ ہیں: ''توحید، رسالت، امامت، عدالت، قیامت۔'' [دیکھیں اصول دین، عبدالکریم مشتاق، ص:۴]

☆ معروف شیعہ مؤلف اپنی کتاب اصول کافی میں باب باندھتے ہیں:

ان الارض لا تخلوا من حجة.

[اصول کافی: ۱۷۸/۱]

''کہ زمین حجت یعنی امام سے خالی نہیں رہ سکتی۔''

☆ مزید لکھتے ہیں کہ اگر زمین پر امام نہ ہو وہ دھنس جائے۔

[اصول کافی: ۱۷۹/۱]

۳۔ امامت کا حق دار کون؟

اسلام مخالف اس گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد

سلسلہ امامت ان کی اولاد میں جاری رہا۔ اپنے عقائد بیان کرتے ہوئے شیعہ مؤلف ناصر مکارم شیرازی لکھتے ہیں:

''ہمارا عقیدہ ہے پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد امامت کا سلسلہ ان کی پاک ذریت میں جاری رہا۔'' [ہمارے عقائد، ص:۷۷، مصباح القرآن ٹرسٹ]

ان کا یہ نظریہ بھی ہے کہ یہ امامت حسن و حسین کے بعد کبھی بھی دو بھائیوں کی طرف نہیں لوٹے گی۔ [اصول کافی: ۱/۲۸۵]

جس طرح نظریہ امامت خود ساختہ ہے اس طرح یہ شرط بھی خود ساختہ ہے۔

۴۔ درجہ امامت:

شیعہ حضرات نے اپنے مزعومہ ائمہ ایسے فضائل اور صفات سے پیش کیا جس سے ختم نبوت کا انکار اور توہین انبیاء لازم آتی ہے، اور پھر انہیں انبیاء کی طرح اللہ کی طرف سے مقرر کردہ معصوم عن الخطا، واجب الاطاعت ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے ائمہ پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے:

☆ نبوت سے اعلیٰ درجہ:

(i) اس گروہ کے معروف مجتہد و محقق ملاں باقر مجلسی نے لکھا ہے:

"مرتبہ امامت بالاتر از مرتبہ پیغمبری است." [حیاۃ القلوب: ۳/۳]

''کہ امامت کا درجہ نبوت و رسالت سے بھی بالاتر ہے۔''

(ii) اصول کافی میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک قول منسوب ہے انہوں نے کہا:

"انا قسیم اللّٰہ بین الجنة والنار وانا الفاروق الاکبر وانا صاحب العصا والمیسم ولقد امرّت لی جمیع الملئکة والروح والرسل بمثل ما اقروا به لمحمد ﷺ ...."

''میں اللہ کی طرف سے جنت وجہنم کی تقسیم کرنے والا ہوں، میں سب سے بڑا حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والا ہوں، میں صاحب عصا (یعنی موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی میرے پاس ہے) اور نشان والا ہوں، جبریل علیہ السلام، تمام فرشتوں اور رسولوں نے میرے لیے بھی ان فضائل ومناقب کا اعتراف کیا ہے جو محمد ﷺ کے لیے ہیں۔ مجھے بھی انہی کی طرف مکلّف بنایا گیا ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ کو بلا کر لباس پہنایا جائے گا مجھے بھی بلایا جائے گا اور لباس اوڑھایا جائے گا...... وَلَقَدْ اُعْطِيْتُ خِصَالًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ ...... اور بلاشبہ مجھے ایسے خصائل اور صفات دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔ مجھے اموات، مصائب وتکالیف اور حسب ونسب کا علم عطا کیا گیا۔ نیز مجھے قوت خطابت سے بھی نوازا گیا ہے اور مجھے گزشتہ ومستقبل کے تمام واقعات کا علم ہے اور کائنات کی کوئی چیز مجھ سے پوشیدہ نہیں۔'' [اصول کافی: ۱/۱۹۶، ۱۹۷]

مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ کو ایسی صفات سے نوازا گیا ہے جو ان سے قبل کسی کو بھی عطا نہیں ہوئیں اور وہ خدائی صفات کے حامل تھے۔

(iii) ملاں باقر مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے کہا: اے علی! تم کچھ فضیلتوں کے مالک ہو جن سے میں محروم ہوں۔ مثلاً فاطمہ تمہاری بیوی ہے جب کہ میں اس طرح کی بیوی سے محروم ہوں، تمہارے دو بیٹے حسن وحسین ہیں جب کہ میں اس مقام مرتبے والی اولاد سے محروم ہوں، خدیجہ تمہاری خوش دامن (ساس) ہے جب کہ میری اس طرح کی کوئی ساس نہیں، میں تمہارا سسر ہوں تمہارے سسر کی طرح کا میرا کوئی سسر نہیں۔ [بحار الانوار، کتاب الشہادۃ: ۵/۵۱۱]

(iv) "وانما الاوصیاء اعلاق من الانبیاء ."

[اصول کافی: ۱/۳۸۸]

''یقیناً اوصیاء (ائمہ) انبیاء سے بڑھ کر عمدہ و نفیس ہیں۔''

(v) شیعہ محدث نعمت اللہ الجزائری لکھتے ہیں: ''اس بات میں کوئی

شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء سے افضل ہیں، ہاں ہمارے ہاں علماء کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا ہمارے امام مطلقاً تمام انبیاء سے افضل ہیں یا اولوالعزم رسولوں کے برابر ہیں لیکن اکثریت کا عقیدہ ہے اور یہی درست ہے کہ ائمہ مطلقاً تمام انبیاء سے افضل ہیں سوائے محمد رسول اللہ کے۔

[بصائر الدرجات للصغار، باب: ١٦، ج: ٨، مطبوعہ ایران والشیعہ والسنۃ اردو، ص: ٧٧]

نبی کریم ﷺ کا استثناء کرکے تکلف ہی کیا ہے کہ ظاہراً لوگ مخالف نہ ہوں وگرنہ سابقہ حوالہ جات سے واضح ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ کو نبی سے بھی اعلیٰ سمجھتے ہیں۔

انبیاء کی برابری:

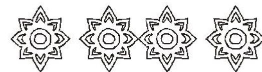
غالی لوگ اپنے ائمہ کو نبیوں کے برابر درجہ دیتے ہیں ان کے اس عقیدے کو ہر عام وخاص بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مثلاً انبیاء کے ساتھ ایک معروف لقب ''علیہ السلام'' ہے اور فرشتوں پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اہل اسلام کسی امتی کے لیے یہ لقب استعمال نہیں کرتے جب کہ شیعہ حضرات اپنے تمام مزعومہ اماموں کو اس سے ملقب کرتے ہیں جس سے واضح ہے کہ وہ انہیں انبیاء کے برابر قرار دیتے ہیں۔

☆ ابوعبداللہ جعفر صادق کی طرف ایک قول منسوب کرتے ہیں:

"الائمة بمنزلة رسول الله ﷺ الا انهم ليسوا بأنبياء ولا يحل لهم من النساء ما يحلّ للنبى فاما ما خلا ذلك فهم فيه بمنزلة رسول الله."

''ائمہ رسول اللہ ﷺ کے مرتبے پر ہیں مگر وہ انبیاء نہیں، اور جتنی بیویاں نبی ﷺ کے لیے حلال ان کے لیے نہیں۔ لیکن وہ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے درجہ میں ہیں۔''

[اصول کافی: ۱/۲۷۰]



بقیہ: قرآن کی حقانیت بائبل کا منہ بولتا ثبوت

''پھر بے شک تیرا ربّ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے عمل کیے برے جہالت کی وجہ سے پھر انہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور (اپنی) اصلاح کر لی بے شک تیرا رب اس (توبہ) کے بعد یقیناً بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ان واضح دلائل کے باوجود عیسائیت نے اپنے مذہب کی بنیاد پولوسی عقیدہ تصلیب مسیح (کفارہ) پر رکھی لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی طریق نجات مقرر تھا تو شروع دنیا میں سب سے پہلے نبی پر اس کو ظاہر کیوں نہ کیا گیا؟ تاکہ رحم اور عدل برابر رہتا۔ نظریہ کفارہ تو دنیا میں انسانوں کی پیدائش سے کئی صدیاں بعد معرض وجود میں آیا بتایا جائے اس سے قبل جو انسان فوت ہوئے ان کی نجات کیسے ممکن ہے؟

بائبل میں لکھا ہے: مسیح یسوع جو انسان ہے جس نے اپنے آپ کو سب کے فدیہ میں دیا۔ [اتیمتمیس باب: ۲، فقرہ: ٦]

جب یہ (مزعومہ) قربانی سب انسانوں کے لیے ہے تو اس کے فوائد وبرکات کا حصول محض اس پر ایمان لانے والوں کو ہی کیوں ملتا ہے؟

نیز بتایا جائے اگر مجرم لوگ محض کفارہ مسیح پر ایمان لا کر چھوٹ جائیں تو خدا کا عدل کیسے قائم رہ سکتا ہے؟

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ نظریہ کفارہ ایک من گھڑت کہانی ہے حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

یہ بات بھی یاد رکھیں عیسائیت کے مطابق جو انسان کفارہ مسیح کو تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اب اس کی نجات میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی لیکن بائبل میں ایک ایسا گناہ بھی بیان ہوا ہے جس کی معافی کبھی نہیں ملے گی۔ لکھا ہے: لیکن جو کوئی روح القدس کے حق میں کفر بکے وہ ابد تک معافی نہ پائے گا بلکہ ابدی گناہ کا قصوروار ہے۔ [مرقس باب: ۳، فقرہ: ۲۹]

اگر مکمل معافی مل ہی نہیں سکتی تو پھر کفارہ پر ایمان لانے کی دعوت اتنے زور وشور سے کیوں دی جاتی ہے اور اس کی بنیاد پر لوگوں کو امید دلانے کا کیا مقصد؟ [جاری ہے]

تحقیق وتنقید

زبدۃ البخاری یا انکار البخاری

(مولانا) محمد اسحاق بھٹی

امام بخاری رحمہ اللہ ۱۹۴ھ میں پیدا اور ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ انھوں نے اپنے عہد کے بہت سے عظیم القدر اساتذہ سے استفادہ کیا اور پھر علم وعمل اور فہم وادراک کی جن بلندیوں تک پہنچے، اب تک کوئی محدث ان بلندیوں تک نہ پہنچ سکا۔ ان کی تصانیف میں صحیح بخاری کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، اس سے اصحابِ علم پوری طرح آگاہ ہیں۔ اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار دیا گیا۔ بعض غیر مسلم مستشرقین نے بھی اس کی حسن ترتیب کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔

یہ عظیم الشان کتاب امام ابن صلاح اور امام نووی کے بقول سات ہزار دو سو پچھتر احادیث کا خوب صورت ترین مجموعہ ہے۔ کم وبیش ایک ہزار سال سے یہ کتاب دنیا کے تمام دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اب تک اڑھائی سو کے قریب اس کی شرحیں لکھی جا چکی ہیں، جن میں سے متعدد شرحیں کئی کئی ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور اصحابِ تدریس اور شائقین علم ہمیشہ ان کے محتاج رہتے ہیں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، صحیح بخاری کی پہلی شرح ''اعلام السنن'' کے نام سے امام ابوسلیمان حمد بن محمد اَلْبُسْتِی معروف بہ خطابی (متوفی ۳۸۶ھ) نے لکھی اس کے بعد شروحِ بخاری کا سلسلہ تصنیف خاص رفتار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ ترتیب کے اعتبار سے فتح الباری بتیسویں شرح ہے، جسے امام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۹ھ) کے حسن تحریر کا عدیم المثال نمونہ کہنا چاہیے۔

آج تک اہل سنت کے تمام مدارسِ دینیہ میں شروع سے آخر تک پوری صحیح بخاری مع اسناد کے پڑھائی جاتی ہے۔ حلقہ ہائے درس میں شیوخ الحدیث اور معلّمین صحیح بخاری کے بارے میں بڑے فخر کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ فلاں استاذِ حدیث نے صحیح بخاری بیس مرتبہ، فلاں نے چالیس مرتبہ اور فلاں عالی مرتبت استاذ نے پچاس یا ساٹھ مرتبہ پڑھائی۔ جامعات ومدارس میں یہ روایت صدیوں سے چلی آرہی ہے کہ اکثر طلبا انھی اساتذہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، جنھوں نے یہ عظیم کتاب زیادہ سے زیادہ مرتبہ پڑھائی ہو۔ پڑھانے والوں کے لیے بھی اسے بڑے شرف کی بات سمجھا جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے لیے بھی اسے بہت بڑی سعادت قرار دیا جاتا ہے کہ انھوں نے ان اساتذہ سے یہ رفیع المنزلت کتاب پڑھی جو اس سے قبل اسے کئی مرتبہ پڑھا چکے ہیں اور انھیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس میں درج احادیث کے متن اور راویوں کے مقام ومرتبہ سے باخبر ہیں۔ اس کتاب کے جس باب سے جو مسائل متخرج ہوتے ہیں، ان سے بھی یہ اچھی طرح آگاہ ہیں اور انھیں خوب معلوم ہے کہ فقه البخاری فی تراجم ابوابه البخاری۔

صحیح بخاری کی سات ہزار دو سو پچھتر احادیث تین ہزار چار سو پچاس ابواب میں منقسم ہیں، اور بالعموم ہر باب سے کوئی نہ کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، لیکن اب کراچی، لاہور، گوجراں والا، سیالکوٹ، فیصل آباد اور شیخوپورہ میں ایک ''طائفہ زبدیہ'' پیدا ہوا ہے، جس نے صحیح بخاری کے بجائے تدریس کے لیے ایک اور کتاب مرتب فرمائی ہے، جس کا نام ''زبدۃ البخاری'' رکھا گیا ہے۔

طائفہ زبدیہ کے اعلان کے مطابق یہ کتاب ''تدریس کے لیے تیار کی گئی ہے، اور وہ اپنی اس ایجاد جدیدہ کو ''شیوخ الحدیث، مدرسین اور طلبا کے لیے خوش خبری'' سے تعبیر فرماتے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ ''ایک سال کی بجائے تین ماہ میں مکمل بخاری بے شمار فوائد کے ساتھ پڑھیں اور پڑھائیں، اپنا اور طلبا کا وقت بچائیں۔''

اس کی ''خصوصیات'' کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ

⊙ ''ہر حدیث کے بیسیوں مرتبہ تکرار کو حذف'' کر دیا گیا ہے۔

⊙ ''زبدۃ البخاری میں اسناد بالاتفاق معتبر ہونے کی وجہ سے حذف ہیں، صرف صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے۔''

⊙ ''کل احادیث ۲۷۵۲، ابواب ۱۷۶۳ ہیں۔''

⊙ ''زبدۃ البخاری درسی بخاری سے کئی گنا زیادہ بہتر نتائج پیدا کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے۔''

⊙ ''یہ سب طلبا کی سہولت، وقت کی بچت، استنباطی صلاحیت، جلد تمسک بالحدیث کے لیے کیا گیا ہے۔''

خوانندگانِ محترم نے ملاحظہ فرمایا کہ صحیح بخاری کی سات ہزار دو سو پچھتر احادیث میں سے زبدۃ البخاری میں صرف دو ہزار سات سو باون احادیث درج کی گئی ہیں اور تین ہزار چار سو پچاس ابواب میں سے صرف ایک ہزار سات سو تریسٹھ ابواب کو لائق التفاق سمجھا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود طائفہ زبدیہ بلند آہنگی سے اعلان کر رہا ہے کہ مکمل بخاری ہے۔ اس زبدے کے ناشرین یعنی زابدین (زبدہ بنانے والوں) سے میں ذاتی طور پر متعارف نہیں ہوں، ظاہر ہے وہ بھی مجھے نہیں جانتے ہوں گے۔ میں نے دو اخباروں ''الاعتصام'' اور ''اہل حدیث'' میں اس کا جو اشتہار پڑھا ہے، اس کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس کے بعد ''زبدۃ المسلم'' آئے گا اور پھر دونوں زبدوں میں درج احادیث کو متفق علیہ کہا جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو حدیثیں زبدۃ البخاری میں لائی گئی ہیں، وہ زبدۃ المسلم میں جگہ نہ پاسکیں۔

ان دونوں زبدوں کے بعد سوچا جائے گا یا سوچ لیا گیا ہوگا کہ ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور موطا امام مالک نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کو زبدوں سے محروم رکھا جائے۔ ان کے زبدے بناتے وقت میرا خیال ہے زبدیے یہ بھی سوچیں گے کہ جو حدیثیں ایک زبدے میں آگئی ہیں، وہ دوسرے زبدوں میں نہ لائی جائیں۔ کیوں کہ دوبارہ سہ بارہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث پڑھنے اور ان کے مطالب ذہن میں راسخ کرنے سے طلبا کا وقت ضائع ہوتا ہے اور حدیثیں بے شک نہ پڑھی جائیں، لیکن وقت بچانا ضروری ہے۔

کتب حدیث کے خلاف یہ ایک بہت بڑی سازش ہے۔ میرے خیال میں منصوبہ درحقیقت یہ ہے کہ کتب حدیث اور صحاح ستہ کو جو صدیوں سے مدارس دینی کے نصاب کا بنیادی حصہ ہیں، نصاب سے خارج کر دیا جائے اور آٹھ نو سال کا صحیح ترین نصاب بہ صورتِ زبدات دو سال یا زیادہ سے زیادہ تین سال میں نمٹا دیا جائے اور پھر طلبا کو عالم فاضل ہونے کی سند دے دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طلبا کسی کام کے بھی نہیں رہیں گے، نہ وہ دینی مدارس میں پڑھا سکیں گے اور نہ انھیں مسجدوں میں بہ طور خطیب یا امام رکھا جائے گا اور ناقص ترین تعلیم کی وجہ سے کسی کو وہ صحیح مسئلہ بھی نہیں بتا سکیں گے۔ واضح الفاظ میں یوں سمجھیے کہ دینی مدارس کا جو نصاب پوری کوشش کے باوجود حکومت نہ بدل سکی اور اسے یہ جرأت نہ ہوئی کہ صدیوں سے رائج اور متعارف نصاب تعلیم میں تھوڑی سی بھی ترمیم کر سکے، اسے زبدیوں کے ایک گروہِ ناشرین نے ختم کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ یہ فرقہ زبدیہ یا طائفہ ناشریہ برملا اعلان کر رہا ہے کہ اس کی ''زبدۃ البخاری درسی بخاری سے کئی گنا زیادہ بہتر نتائج پیدا کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے۔''

یہ صحیح بخاری کی بھی توہین ہے، اس کے شارحین کی بھی توہین ہے، اس کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کی بھی توہین ہے۔ جن اخباروں میں یہ اعلان کیا گیا ہے، میرا وجدان کہتا ہے کہ ہر اخبار کو اس کا زیادہ سے زیادہ دو ہزار روپیہ دیا گیا ہوگا اور رسید لے لی گئی ہوگی۔ میں ان اخباروں کے ایڈیٹروں کارپردازوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا انھوں نے اس اشتہار کے الفاظ نہیں پڑھے؟ کیا وہ اپنی جماعتی پالیسی، اپنے مدارس وجامعات کی نصابی اہمیت سے واقف نہیں؟ کیا انھیں صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث کی عظمت کا علم نہیں؟ وہ کیوں یہ سمجھ نہیں سکے کہ اس اشتہار میں کیا سازش چھپی ہوئی ہے؟

جس طرح دو دو ہزار روپے دے کر زبدیوں نے اعلان چھپوایا ہے، اسی طرح انھیں دو دو سو روپے کے تبصرہ نگار بھی مل جائیں گے جو

کانوں میں قلم لگائے ''تبصرے کرالو'' کی آوازیں لگا رہے ہیں۔

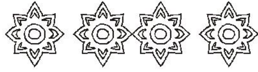
زبدیوں نے اعلان میں بتایا ہے کہ بخاری کی تمام احادیث کی اسناد بالاتفاق معتبر ہونے کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہیں، صرف اس ''صحابی رضی اللہ عنہ'' کا نام رہنے دیا گیا ہے، جس سے حدیث مروی ہے۔ گزارش یہ ہے کہ صحابی کا نام لکھنے، پھر اس پر ''رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ لکھنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ یہ بھی وقت کا ضیاع ہے۔ صرف ''قال رسول اللہ'' سے حدیث شروع کیجیے، ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بھی نہ لکھا جائے اور وقت بچایا جائے۔

''طائفہ زبدیہ'' کو چاہیے کہ لگے ہاتھوں قرآن کا زبدہ بھی بنا دیں۔ قرآن میں بھی تکرار ہے۔ بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کئی مرتبہ قوم عاد، ثمود اور لوط وغیرہ کا ذکر ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کے احکام متعدد مقامات پر آئے ہیں۔ شیطان کا نام کتنی ہی آیات میں آیا ہے۔ یہ سب تکرار ختم کر دیا جائے اور ہر بات کا ایک ایک مرتبہ ذکر کیا جائے۔ تیس پاروں کی بجائے سات آٹھ پارے بنا دیے جائیں تاکہ پڑھنے اور حفظ کرنے میں آسانی رہے۔ حفظ کرنے والے کا وقت بھی بچایا جائے اور حفظ کرانے والے کا بھی۔ تکرار ختم کرکے باقی قرآن کا نام ''زبدۃ القرآن'' رکھ دیا جائے۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ نہ میں کسی مسجد کا امام ہوں نہ خطیب، نہ کسی مدرسے کا مدرس ہوں نہ مہتمم۔ کسی مدرسے کی مجلس انتظامیہ کا بھی رکن نہیں ہوں۔ کسی جماعت کی تنظیم سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں واعظ اور مقرر بھی نہیں ہوں۔ کسی اخبار کا ایڈیٹر اور باقاعدہ اخباری مضمون نگار بھی نہیں ہوں۔ لیکن میں زبدیوں کے مقابلے میں دینی مدرسوں اور نصاب کی اپنے قلم کی پوری طاقت سے حمایت کروں گا، ان شاء اللہ العزیز۔ انھوں نے جو منصوبہ بنایا ہے، میں اسے کتب صحاح کی توہین، محدثین کرام کی اہانت اور جامعات ومدراس کے شیوخ الحدیث اور مدرسین کی تضحیک سمجھتا ہوں۔ میں اس منصوبے کی تردید کروں گا اور مدرسین وشیوخ الحدیث کی ممکن حد تک ان شاء اللہ حمایت کروں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ کسی مدرس، کسی شیخ الحدیث اور کسی اخبار کے ایڈیٹر اور مضمون نگار نے زبدیوں کی اس حرکت کے خلاف نہیں لکھا۔ اخبار دو دو ہزار روپے لے کر خاموش ہوگئے اور تبصرہ نگار دو دو سو روپے کے انتظار میں قلم اور کاغذ ہاتھوں میں لیے بیٹھے ہیں۔ یہ فقیر تنہا میدان میں ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔ میں زبدیوں کے مقابلے میں ان شاء اللہ محدثین اور کتب حدیث کی عظمت کا نعرہ بلند کرتا رہوں گا۔

یہ فقیر جامعات ومدارس کے لائق احترام شیوخ الحدیث اور معلّمین حدیث سے سوال کرتا ہے کہ طائفہ زبدیہ نے زبدۃ البخاری کے نام سے جس کتاب کا اعلان کیا ہے کیا اس کا کھرا انکارِ بخاری کی طرف نہیں جاتا......؟

فرمایا جائے یہ زبدۃ البخاری ہے یا انکار البخاری......؟



ضرورت اساتذہ

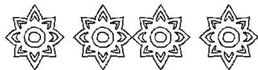
ہمیں اپنے ادارے نصر الائمہ گوجراں والا کے لیے ایسے اساتذہ برائے درس نظامی درکار ہیں جو شادی شدہ ہوں اور ان کی زوجگان تعلیم یافتہ اور بچیوں کو دینی تعلیم سے سرفراز کرسکتی ہوں۔ وہ احباب جلد رابطہ کریں۔ مکمل کوائف اور فون نمبر سے نوازیں تاکہ انہیں وقت دے کر بلوایا جاسکے۔

[ابوالاحتشام حمزہ طور، ناظم ادارہ نصر الائمہ کھیالی بائی پاس، اویس آٹوز مارکیٹ۔ شیخوپورہ موڑ گوجراں والا۔ فون: 0333-8112611]

ضرورت استاذ

شعبہ حفظ کے لیے محنتی، تحریکی ذہین کے حامل شادی شدہ استاذ کی اشد ضرورت ہے۔ بیوی، عالمہ فاضلہ قابل ترجیح ہے۔

[رابطہ: 0300-4707713]



متاثرین سیلاب جام پور کے لیے

فوری تعاون کی ضرورت

ملکی تاریخ کے خوفناک سیلاب سے جام پور شہر اور اِس کا بیسیوں میل کا مضافاتی علاقہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔ ہزاروں لوگ تا حال مکانوں اور زندگی کے ضروری اثاثوں سے محروم ہیں۔ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث جام پور نے سیلاب کے شروع دن سے ہی متاثرین سیلاب کے لیے ریلیف کا کام شروع کر دیا تھا۔ مرکز اہل حدیث کو ریلیف کیمپ میں تبدیل کر کے ہزاروں لوگوں کو پناہ دی۔ اُن کے کھانے پینے، علاج اور ضروری سہولتوں کا انتظام کیا۔ اب تک دو کروڑ روپے سے زائد (نقد، راشن، خیمے، کپڑے اور بستر) تقسیم کیے گئے ہیں۔ ریلیف کا یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ بہت سے مخیّر حضرات نے خود آ کر متاثرین میں نقد رقم اور راشن تقسیم کیا۔ جزاکم اللہ

بستروں اور گرم کپڑوں کی ضرورت: سردی کے شدید موسم میں متاثرین کے لیے بستروں اور گرم کپڑوں کی فوری اور اشد ضرورت ہے۔ مرکز اہل حدیث جام پور کی طرف سے چھ ہزار بستر تقسیم کا پروگرام ہے۔ مخیّر حضرات بستر مکمل (رضائی، گدا اور تکیہ) کمبل اور گرم کپڑے فوری طور پر فراہم کریں تا کہ ضرورت مندوں میں تقسیم کیے جا سکیں۔ لاگت قیمت فی بستر مکمل (رضائی، گدا، تکیہ) درجہ اوّل دو ہزار روپے، درجہ دوم بارہ سو روپے۔ نیز گھریلو ضرورت کا ضروری سامان (برتن وغیرہ) بھی بڑی تعداد میں پہنچائے جائیں۔

مکانات کی تعمیر: مکانات سے محروم متاثرین سیلاب کے لیے مکانات کی تعمیر کا پروگرام ہے۔ تخمینہ لاگت مکانات حسب ذیل ہے:

۱: پکا مکان (دو کمرے، کچن، باتھ روم اور چار دیواری) تخمینہ لاگت تین لاکھ روپے

۲: کچا مکان (دو کمرے، کچن، باتھ روم اور چار دیواری) سوا لاکھ روپے

۳: جزوی طور پر متاثرہ مکان کی مرمت پچاس ہزار روپے

مخیّر حضرات اپنے ہم وطن بھائیوں کی مدد کے لیے آگے آئیں اور مذکورہ ضرورتوں کے لیے فوری تعاون بھجوائیں۔ ہم پوری ذمہ داری سے آپ کا تعاون متاثرین تک پہنچائیں گے۔ ان شاء اللہ

بذریعہ بنک

۱: اکاؤنٹ نمبر 1107-00166008-03 حبیب بینک جام پور، بنام ادارہ تبلیغ اسلام

۲: اکاؤنٹ نمبر 1142-0201000493-9 مسلم کمرشل بینک جام پور، بنام جمعیۃ اہل حدیث

بذریعہ منی آرڈر

محمد یٰسین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان

فون نمبر: 0333-8556473

فکر ونظر

قسط نمبر ۲

حیات مسیح اور قادیانی نظریہ کی تردید

عطا محمد جنجوعہ

نزولِ مسیح کے دور کا تجزیہ:

مخبر صادق ﷺ نے حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے بارے ارشاد فرمایا کہ وہ حاکم وعادل کی حیثیت سے تشریف لائیں گے جبکہ مرزا سیالکوٹ میں زمانہ محرری کے دوران رشوت لے کر عدل وانصاف کا مذاق اڑاتا رہا۔مفلوک الحال ارادت مند آتے بھاری رقم معاوضہ میں وصول کر کے اُن کا خون چوستا رہا۔اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے تگ ودو کرنا تو کجا وہ اپنے مریدوں کو صلیبی حکمران کی غلامی کا سبق سکھاتا رہا۔

خاتم النّبیین ﷺ کا فرمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑ دیں گے وہ اس طرح کہ حضرت مسیح آسمان سے زمین پر اتریں گے تو دجال کو قتل کریں گے۔ یہود ونصاریٰ اپنے دعویٰ قتل وصلیب کو باطل پالیں گے حضرت مسیح تبلیغ کریں گے تو حق وباطل کے معرکہ سے بچے ہوئے سب اہل کتاب مسلم بن جائیں گے اور قرآنی شہادت ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ مسیح ثابت ہوگی اور اس زمانے میں ساری کائنات کا صرف ایک مذہب اسلام ہوگا۔

یہ درست ہے کہ مرزا اپنے ابتدائی دور میں پادریوں سے بحث مباحثہ کا ڈرامہ رچا کر مسلمانوں میں معروف ہوا لیکن صلیبیوں کو مسلمان نہ بنا سکا۔مرزا صلیب کیسے توڑ سکتا تھا وہ تو زندگی بھر صلیبی حکمرانوں کا جاسوس بن کر مسلمانوں کی حرمت کو پامال کرتا رہا۔اس کے دور میں صلیبی تو مسلمان نہ ہوئے البتہ اس کی اپنی تحریری شہادت کی روشنی میں ہزارہا مقامی لوگ عیسائی ضرور ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لڑائی اور جنگ کو ختم کر دیں گے دوسری روایت کے مطابق جزیہ موقوف کر دیں گے۔دجال کے خاتمہ کے بعد اہل کتاب اور مشرک اسلام قبول کرلیں گے تو اس وقت جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ جزیہ جو غیر مسلموں سے تحفظ کے صلہ میں وصول کیا جاتا ہے۔جب مسلمان ہی ہوں گے تو اس وقت جزیہ خود بخود موقوف ہوجائے گا۔ جب کہ مرزا قادیان کے دور میں انگریز مجاہدین کو پھندے پر لٹکا کر کھال اتارتے رہے جب کہ مرزا ''انگریزوں سے لڑنا حرام ہے'' کا فتویٰ جاری کرتا رہا۔

صلیبی قوم وہ ہے جنہوں نے برصغیر میں داخل ہو کر اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے مشنری ادارے قائم کیے جو مقامی نادار لوگوں کو مراعات کا لالچ دے کر عیسائی بنانے میں سرگرم رہے۔مغلوں کے دور میں بھی برصغیر پاک وہند میں اسلامی حدود وقیود کا قانون رائج تھا۔ انگریزوں نے برسر اقتدار آ کر جن کو ختم کر دیا اور اپنا قانون رائج کیا۔ قادیانی غور کریں مرزا صلیبی مذہب کے فروغ اور عوامی قانون کے غلبہ کے لیے کوشاں انگریز قوم کی اطاعت پر زور کیوں دیتا رہا؟

خنزیر کا گوشت معاشرتی برائیوں کی جڑ ہے جو لوگ اس کو کھاتے ہیں اُن میں شرم وحیا کی حس اور خیر وشر میں تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہوجاتی ہے۔ چوں کہ خنزیر کا گوشت عیسائیوں کی پسندیدہ خوراک ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے تو خنزیر کو قتل کریں گے جب کہ مرزا کے آقا صلیبی حکمران داؤ پیچ کے ذریعے مسلمانوں کے دانتوں سے چربی چبواتے رہے اور اس کا تیل استعمال کراتے رہے۔لیکن مرزا اُن کے گن گاتا رہا اور مسلمانوں کو انگلش حکومت کی اطاعت کا گر سکھاتا رہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے، دجال کون ہے؟ احادیث کی روشنی میں اس کا خاکہ کچھ اس طرح ہوگا۔تاریخ میں ایک ایسا دور

آئے گا جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان قسطنطنیہ کے محاذ پر سخت جنگ ہورہی ہوگی امت مسلمہ کی قیادت محمد بن عبداللہ کے ہاتھ میں ہوگی جن کا لقب مہدی ہوگا۔اس جنگ کے دوران شام اور عراق کے درمیانی علاقے سے دجال کا خروج ہوگا وہ نسلاً یہودی اور یک چشم ہوگا۔

قدرتِ خداوندی سے اس کی پیشانی پر ک۔ف۔ر یعنی کافر لکھا ہوگا جسے اہل ایمان روحانی فہم وفراست سے پڑھ لیں گے وہ اُن کے دجل سے محفوظ رہیں گے۔ وہ دائیں بائیں فساد پھیلائے گا۔ لوگ اُس کے خوف سے بھاگ کر پہاڑوں پر چلے جائیں گے۔حق تعالیٰ کی طرف سے اُس کو فتنہ استدراج دیا جائے گا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ مداریوں کی طرح کرتب دکھا کر لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرے گا وہ اس میں کامیاب نہیں ہوگا پھر وہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اصفہان کے ستر ہزار یہودی اس کو تسلیم کرلیں گے۔ دوسرے علاقوں کے یہودی بھی اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ بالآخر دجال اپنے لاؤلشکر سمیت مدینہ طیبہ کا رخ کرے گا مگر مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس کا رخ ملک شام کی طرف پھیر دیں گے تو امام مہدی خبر سن کر محاذ جنگ سے واپس دمشق آجائیں گے۔

اس دوران ایک روز دمشق (شام) کی جامع مسجد میں نماز فجر کی اقامت ہورہی ہوگی اور مہدی موعود امامت کے مصلے پر پہنچ چکے ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سب کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔مسلمان آنکھ اٹھا کر دیکھیں گے کہ سپید بادل چھایا ہوا نظر آئے گا اور تھوڑے عرصہ میں یہ مشاہدہ ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام دو زرد حسین چادروں میں لپٹے ہوئے اور فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لیے ہوئے ملاء اعلیٰ سے اتر رہے ہیں فرشتے ان کو مسجد کے منارہ مشرقی پر اتار دیں گے اور واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ سیڑھی سے اتر کر مسلمانوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں آکھڑے ہوں گے۔مسلمانوں کا امام مہدی از راہ عزت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے امامت کی درخواست کرے گا۔آپ فرمائیں گے کہ یہ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے اس لیے تم ہی نماز پڑھاؤ۔فراغت کے بعد مسلمانوں کی امامت حضرت مسیح کے ہاتھوں میں آجائے گی وہ حربہ لے کر مسیح دجال کے قتل کے لیے روانہ ہوجائیں گے۔اور شہر پناہ کے باہر اس کو باب ''لد'' پر پالیں گے۔ دجال سمجھ جائے گا کہ اُس کی زندگی اور دجل کے خاتمہ کا وقت آپہنچا ہے اس لیے خوف کی وجہ سے رانگ (قلعی) کی طرح پگھلنے لگے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس کو قتل کردیں گے پھر جو یہود دجال کی رفاقت سے بچ جائیں گے وہ اور سب عیسائی اسلام قبول کرلیں گے۔

قادیانی غور کریں کیا مذکورہ صفات کے حامل دجال نے خروج کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نازل ہوکر اُس کو باب لد پر قتل کیا ہو؟ مرزا دجال کے خروج سے انکار نہیں کرتا لیکن اس کے نزدیک عیسائی پادری مراد ہیں۔مسیح الدجال ایک شخص کا نام ہے جو یہودی النسل ہوگا جب کہ پادری بے شمار ہیں۔ چوں کہ پادری نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے۔آپ نے اُن کی طرف واضح اشارہ کیوں نہیں کیا؟ مرزا قادیانی نے پادریوں سے بحث مباحثہ کا ڈھونگ ضرور رچایا تھا لیکن پادریوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین صلیبی جنگیں پہلے بھی ہوتی رہیں اب بھی جاری ہیں۔تاہم مرزا کے دور میں کون سی صلیبی جنگ ہوئی جس کی قیادت محمد بن عبداللہ المعروف امام مہدی نے کی ہو؟

یہودی اسلام کو مسخ اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں تاحال کسی یہودی نے خدائی دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی اصفہام کے ۷۰ ہزار یہودیوں نے کسی دجال کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ حکومت پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا لیکن حکومت اسرائیل نے پاکستانی قادیانیوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی باقاعدہ اجازت دے رکھی ہے۔۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں چھ سو قادیانی شامل تھے۔کیا وجہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کا وجود برداشت نہیں کرتے لیکن قادیانیوں کو اپنے سینے سے لگا رکھا ہے؟

مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود تو درکنار مسیح دجال بھی نہیں ہے۔ البتہ اُن تیس دجالوں میں سے ایک ہے جن کے بارے مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے:

''اللہ کی قسم اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک تیس (نامور) جھوٹے (نبی) پیدا نہیں ہوں گے۔''

[مسند امام احمد]

حضرت مسیح علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کے بعد حج وعمرہ کریں گے۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ''فجّ الروحاء'' کے مقام پر حج یا عمرہ یا دونوں کا تلبیہ پکاریں گے۔''

[صحیح مسلم، باب جواز التمتع فی الجمع والقرآن]

مرزا اس حدیث کا انکار تو نہیں کرتا لیکن ابھی تک حج نہ کرنے کا جواز پیش کرتا ہے:

''ہمارا حج تو اُس وقت ہوگا جب دجال بھی کفر اور دجل سے باز آ کر طواف بیت اللہ کرے گا کیوں کہ بموجب حدیث صحیح کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کا ہوگا۔'' [ایام صلح،ص:۱۶۸]

مرزا قادیانی کو زندگی میں حج عمرہ کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی۔حضرت مسیح زمین پر مکمل امن وسکون قائم کریں گے اور اسی قدر آسودگی ہوگی کہ شیر اور اونٹ، چیتا اور گائے بکریاں بے خوف اکٹھے چرتے ہوں گے۔ زمین پر کچھ عرصہ گزارنے کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ہوگی۔مسلمان اُن کی نماز جنازہ پڑھیں گے وہ دفن کہاں ہوں گے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زمین پر نزول فرما ہوں گے نکاح کریں گے۔ اُن کے ہاں اولاد ہوگی وہ (کل) پینتالیس سال عمر پائیں گے بعد ازاں ان کی وفات ہوگی اور وہ میرے ساتھ میری قبر میں مدفون ہوں گے۔قیامت کے دن میں اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی قبر سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان اٹھیں گے۔''[مشکوٰۃ المصابیح، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، حدیث:۵۵۰۸]

مرزا قادیانی اس حدیث کو مانتا ہے:

''آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مسیح موعود میری قبر میں دفن ہوگا یعنی وہ میں ہی ہوں۔'' [کشتی نوح،ص:۱۵]

اہل علم بخوبی واقف ہیں کہ مرزا قادیانی مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ آخری آسمان فیصلہ کے مطابق ہیضہ کی بیماری میں مبتلا ہوکر لاہور میں فوت ہوا لیکن قادیان میں دفن ہوا۔

مرزا قادیانی کو مدینہ منورہ کی زیارت تو درکنار حجاز مقدس کی ہوا بھی نصیب نہ ہوئی۔ چناں چہ وہ مسیح موعود نہ ہوا۔مرزا قادیانی رفع عیسیٰ کی واضح آیات کا انکار کرتا ہے اور وفات مسیح کے لیے طرح طرح کی عقلی تاویلیں پیش کرتا ہے:

''جس حالت میں حضرت عیسیٰ اپنی ذات میں یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ وہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے کوئی دوسرا انسان ان کا شریک نہیں۔'' [براہین احمدیہ پنجم،ص:۱۹۹]

اللہ نے انبیائے کرام کو زمانہ کے حالات کے مطابق معجزات عنایت کیے جن کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا ایمانی تقاضا ہے۔تاہم کسی کا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم پر آگ کیوں اور کیوں کر گلزار ہوئی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے لیے سمندر میں رستہ کس طرح بن گیا۔ نبی مکرم ﷺ ہاتھ کا اشارہ کریں تو چاند دو ٹکڑوں میں بٹ گیا یہ کیسے ممکن ہے۔ایک نبی کا معجزہ دوسرے نبی کو کیوں نہیں ملا۔اس قسم کی چہ مہ گوئیاں کرنا ایمان کے منافی ہیں۔قرآن میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پھانسی دی گئی نہ قتل کیا گیا بلکہ اللہ نے اُن کو آسمان پر اٹھا لیا۔ میثاق النّبیین کے وعدہ کی تکمیل کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان سے دوبارہ نزول ہوگا۔اس پر یقین کرنا ایمان کی علامت ہے:

''مرزا قادیانی اعتراض کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کی دوسری اور تیسری خصوصیت لکھتا ہے۔صدہا سال تک بغیر آب ودانہ کے آسمان پر زندہ رہنے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا

کوئی دوسرا انسان شریک نہیں۔ پھر تیسری خصوصیت یہ لکھتے ہیں کہ آسمان پر اتنی مدت تک پیرانہ سالی اور ضعف سے محفوظ رہنے والے وہی ٹھہرے جس میں اُن کا کوئی شریک نہیں۔'' [براہین احمدیہ پنجم:۱۹۹]

حضرت آدم علیہ السلام زمین پر آنے سے قبل جس قسم کا آب ودانہ کھاتے پیتے رہے اور بشری تقاضے جس طرح پورا کرتے رہے۔ چناں چہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باوا آدم کے چھوڑے گئے ذخیرہ اور طریقہ کو بروئے استعمال لائیں گے۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے اصحاف کہف تین سو سال سے زائد عرصہ تک غار میں سوئے رہے۔ وہ بشری تقاضے کس طرح پورا کرتے رہے۔ نبی کریم ﷺ معراج پر تشریف لے گئے کیا وہ آب ودانہ ساتھ لے گئے تھے؟

قادیانیو غور کرو ہمارا اُس اللہ قدیر پر ایمان ہے جو کلمہ کن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو گلزار کر سکتا ہے۔ سمندر میں راہ بنا سکتا ہے۔ اصحابِ کہف کو بغیر آب ودانہ کے زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہی اللہ حضرت عیسیٰ کو بغیر زمینی آب ودانہ کے آسمان پر زندہ رکھ سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ بغیر کھائے پئے روزہ رکھتے تھے۔ صحابہ کے پوچھنے پر ارشاد فرمایا کہ اللہ مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ وہی اللہ عیسیٰ کو آسمان پر رزق دے سکتا ہے۔

جس طرح اللہ کلمہ کن سے عیسیٰ کو بغیر باپ کے تخلیق کر سکتا ہے وہی اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زمینی خورد ونوش اور دنیوی حاجات اور ضعف العمری سے بے نیاز کر سکتا ہے اور آسمان سے دوبارہ زمین پر نزول فرما سکتا ہے۔

پھر چوتھی خصوصیت یہ لکھتے ہیں:

''مدت دراز کے بعد آسمان سے مع ملائکہ نازل ہونے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا کوئی آدمی شریک نہیں۔''

اللہ نے قرآنِ حکیم میں میثاق انبیائے کرام سے متعلق وضاحت فرمائی ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾

''جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد کیا جو کچھ میں تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لیے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔ فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اور اس پر میرا ذمہ لے رہے ہو سب نے کہا کہ ہمیں اقرار ہے فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔'' [آلِ عمران : ۸۱]

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کرے کہ وہ بھی حضور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی تابع داری میں لگ جائے۔ [تفسیر ابن کثیر]

انبیائے کرام نے اپنے اپنے دور میں امتوں کو تلقین کی کہ اگر وہ خاتم النّبیین ﷺ کا زمانہ مبارک پالیں تو ان پر ایمان لے آئیں اور نصرت کریں۔ لیکن میثاق کی عملی حیثیت کا تقاضا تھا کہ سابقہ انبیائے کرام میں سے ایک نبی بحیثیت محمدیہ کے بعد نزول فرمائیں۔ وہ نبی اور اُن کی امت خاتم النّبیین ﷺ پر ایمان لے آئیں اور دین حق کی نصرت ﴿ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ﴾ کا وعدہ حق پورا ہو۔ چوں کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل قوم کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میثاق النّبیین کی تائید کے لیے ان ہی کو منتخب کیا تا کہ تمام انبیائے کرام کی جانب سے عہد کے وفا کا عملی مظاہرہ ہو سکے۔

جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا تو مسلمانوں کے دل ایمان سے منور ہو جائیں گے اور اہل کتاب تثلیث اور کفارہ کے عقائد سے توبہ تائب ہو جائیں گے اور حق وباطل کے معرکہ سے بچے ہوئے سب

اہل کتاب مسلم بن جائیں گے اور قرآنِ حکیم کی بشارت ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ سچ ثابت ہوگی۔

رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ قرآن وحدیث میں صراحت سے موجود ہے اس بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ذرّہ بھر علمی اختلاف نہ تھا بلکہ اُن کا اجماع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اُس نے طرح طرح کے شوشے چھوڑے۔ منجملہ اُن میں اے ایک یہ تھا اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نازل ہوسکتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں؟

غور طلب پہلو یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات اور نزول کے بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوتا تو عبداللہ بن سبا اس نظریہ کو بنیاد بنا کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش نہ کرتا۔ حتیٰ کہ مرزا قادیانی نے بھی ابتدائی دور کی تحریروں میں نزولِ مسیح کے عقیدہ کا اعتراف کیا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ [التوبۃ: ۳۳]

یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشین گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ ظہور میں آئے گا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ [براہین احمدیہ چہارم حاشیہ، ص:۳۱۳]

مرزا قادیانی دوسری جگہ نزول مسیح کے مقصد کو وضاحت سے بیان کرتا ہے:

﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ [الانفال: ۸]

یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ظاہر ہونے کا اشارہ ہے یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف احسان کو قبول نہیں کریں گے تو وہ زمانہ بھی آنے والا ہے کہ جب خدا تعالیٰ مجرمین کے لیے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے۔

[براہین احمدیہ، حصہ چہارم، ص:۳۱۷(۵۰۵)]

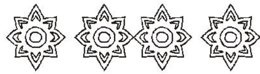
قادیانی فخریہ اظہار کرتے ہیں کہ حیات اور نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ قرآن میں مذکور نہیں اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ مرزا قادیانی نے مذکورہ دو قرآنی کا حوالہ دے کر نزول مسیح کا اعتراف کیا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ فوت ہوگئے تھے دوبارہ زندہ ہوکر آئیں گے تو پھر مسیح علیہ السلام کے بارے قادیانی اور عیسائی عقیدہ میں کیا فرق رہا؟

اگر آپ لوگوں کو دھوکہ دیں کہ یہ اُس دور کا عقیدہ ہے جب مرزا پر الہام نہیں ہوا تھا چوں کہ اب اُن پر الہام ہوا ہے۔ مرزا اقرار کرتا ہے: ''خدا نے اپنی متواتر وحی سے اس عقیدہ کو فاسد قرار دیا اور مجھے کہا کہ تو ہی مسیح موعود ہے۔''

[تریاق القلوب، ص:۳۵۷۔ روحانی خزائن، ج:۱۵، ص:۴۸۵]

مرزا کی تحریر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جس براہین احمدیہ میں نزولِ مسیح کا اقرار کیا ہے اس کتاب کے بارے مرزا نے دعویٰ کیا کہ اس کتاب کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ [براہین احمدیہ، حصہ سوئم، ص:۱۴۵]

قادیانیوں کو مرزا کے دو متضاد دعوؤں میں سے ایک کو جھوٹ تسلیم کرنا پڑے گا۔ چوں کہ کذب دجل وفریب کی علامت ہے نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال ہے۔



سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس (خان پور)

جامعہ محمدیہ اہل حدیث خان پور (رحیم یار خان) کی ۳۵ویں سالانہ سہ روزہ عظیم الشان اہل حدیث کانفرنس بمورخہ ۲۵، ۲۶، ۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء (بمطابق ۲۰، ۲۱، ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ) بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار سابقہ شان دار، تابناک روایات کے مطابق مرکز اہل حدیث خانپور کے وسیع پنڈال میں نہایت تزک واحتشام اور شان وشوکت سے منعقد ہورہی ہے۔ ان شاء اللہ [منجانب: شعبہ نشر واشاعت جامعہ محمدیہ اہل حدیث خانپور، ضلع رحیم یار خان۔ فون:068-5571589]

مشاہیر نامہ

مولانا غلام رسول مہر کے چند مکتوبات

بنام مولانا محمد اسحاق بھٹی حفظہ اللہ

☆............(۱)............☆

باسمہ سبحانہ

مسلم ٹاؤن، لاہور

۴۔ دسمبر ۱۹۶۱ء

برادرِ مکرم۔ آپ نہ ''ملفوظات'' لینے کے لیے آئے اور نہ مکاتیب سیّد کے متعلق کوئی اطلاع بھیجی۔ آپ یہ سن کر غالباً حیران ہوں گے کہ ملفوظات پڑھنے شروع کیے تو معلوم ہوا کہ مطالب متعارف ہیں۔ میں نے مولوی غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والے کا مقالہ، سوانح مولانا سیّد عبداللہ غزنوی سے نکال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اصل مقالہ فارسی میں تھا۔ سوانح میں اس کا اردو ترجمہ چھاپا گیا ہے۔ بہرحال ان میں کوئی چیز کام کی نہیں۔ وہ محفوظ ہیں۔ جب چاہیں لے جائیں۔

نیز آپ نے مولانا محی الدین احمد کے مقالے پر جو کچھ تحریر فرمایا۔ اس سے یکا یک ایک مقالے کی تحریک ہوئی۔ چناں چہ کل صبح بعد نماز پینسل کاغذ لے کر بیٹھا تو سات سلپیں لکھی گئیں۔ آج صبح وہ مقالہ مکمل کر دیا۔ لمبا ہے اور آپ کی رائے سے اختلاف کیا گیا ہے۔ میں اس قسم کے مباحث میں شرکت پسند نہیں کرتا مگر چند خیالات تھے، جنھیں ظاہر کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ وہ اس وقت دوں گا کہ آپ میرے سامنے ایک مرتبہ اسے پڑھ لیں۔ زحمت دینا قطعاً گوارا نہیں، مگر مجبوری ہے۔ والسلام علیکم

نیاز مند

مہر

(۱) ''ملفوظات ملا حبیب اللہ قندھاری'' مراد ہیں، جو قلمی ہیں اور مہر صاحب نے مجھ سے مطالعے کے لیے منگوائے تھے۔ ملا حبیب اللہ قندھاری، حضرت سیّد عبداللہ غزنوی کے استاذ تھے۔ مکاتیب سیّد سے سیّد احمد شہید بریلوی رحمہ اللہ کے فارسی مکتوبات مراد ہیں۔

(۲) مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کے فرزند گرامی مولانا محی الدین احمد قصوری مراد ہیں، جن کا مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تصنیف ''تذکرہ'' میں ذکر فرمایا ہے۔ مولانا محی الدین احمد قصوری نے ''الاعتصام'' کے لیے ایک مضمون لکھا تھا جو میں نے اختلافی نوٹ کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس کے بعد مہر صاحب کا وہ مضمون شائع ہوا، جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

☆............(۲)............☆

باسمہ سبحانہ

مسلم ٹاؤن، لاہور

۲۱۔ جولائی ۱۹۶۲ء

برادرِ مکرم۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ نے علماء کی طرف سے ایک ''متفقہ دستور'' شائع کیا تھا۔ یعنی ''الاعتصام'' میں، نیز اس سلسلے میں

بعض مضامین بھی چھاپے تھے۔ میرے پاس الاعتصام کا وہ نمبر محفوظ ہے، مگر تلاش پر ملا نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نمبر مجھے دوبارہ مل جائے، مستقل طور پر نہ سہی عاریۃً ہی سہی۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی فالتو کاپی نہ ہو تو اپنی کاپی ایک دو روز کے لیے دکھا دیں۔

مولانا داؤد غزنوی صاحب اور مولانا عطاء اللہ صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچائیں۔ نیز مولانا حنیف ندوی صاحب کی خدمت میں۔

مولانا ثناء اللہ مرحوم کے پوتوں کی شہادت کا دردناک واقعہ پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ دیکھیے مولانا کے صاحب زادے بھی مظلوم شہید ہوئے اور دو پوتے بھی۔ میرے نزدیک خود مولانا کی موت بھی شہادت ہی کی موت تھی۔ دراصل وہ امرت سر چھوڑتے ہی ختم ہو چکے تھے۔ بعد میں جتنی مدت روئے زمین پر گزاری محض ایک مفروضہ زندگی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے۔ والسلام

آپ کا

مہر

مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے دو پوتوں ذکاء اللہ ثنائی اور بہاء اللہ ثنائی کو ایک سب انسپکٹر پولیس احسان اللہ پرویز نے ۱۴۔ جولائی ۱۹۶۲ء کو سرگودھا میں قتل کر دیا تھا۔ قاتل شام کے وقت ان کے دفتر ثنائی پریس آیا اور سرکاری پستول سے دونوں بھائیوں کو یکے بعد دیگرے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ قتل کے بعد وہ روپوش ہو گیا تھا۔ تقریباً چالیس سال کے بعد وہ گرفتار ہوا اور اسے پھانسی دی گئی۔

☆............(۳)............☆

باسمہ سبحانہ

مسلم ٹاؤن، لاہور

۸۔ اگست ۱۹۶۲ء

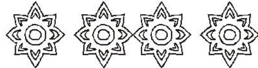
برادرِ عزیز۔ مضمون خدمت والا میں حاضر ہے۔ اپنے کاتب کو ہدایت فرمایے کہ میں جو لفظ جس طرح لکھتا ہوں، اسی طرح لکھا جائے۔ مثلاً میں کئی مرتبہ لفظ سیکڑوں (س، ی، ک، ڑ، و، ں) لکھا، کاتب نے اسے زبردستی سینکڑوں (س، ی، ن، ک، ڑ، و، ں) بنا دیا۔ حالاں کہ میرے محدود علم کے مطابق سینکڑوں (ک اور ی کے درمیان) کوئی لفظ اردو زبان میں موجود نہیں۔ آپ لغت اٹھا کر اطمینان فرمالیں۔ صحیح لفظ سیکڑوں (ن کے بغیر) ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے الفاظ۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا

مہر

مولانا غلام رسول مہر کا ایک خاص طریقہ تھا، مثلاً وہ کیجیے، لیجیے، کہیے، بتایے وغیرہ الفاظ پر ہمزہ نہیں ڈالتے تھے۔ اسی طرح علمائے کرام، فقہاے عظام، سوے ادب وغیرہ الفاظ کی ی پر ہمزہ نہیں لکھتے تھے۔ یہی طریق املا صحیح ہے۔ میں بھی اسی طرح لکھتا ہوں، لیکن کاتب اور کمپوزر یا مسودہ دیکھنے والے اور پروف ریڈر حضرات اس پر زبردستی ہمزہ ڈال دیتے ہیں اور ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔



خیمۂ وجود

ٹہنی سے گر کے پتیاں بکھریں گلاب کی
رخصت بدن سے ہو گئی خوشبو شباب کی

کب گر پڑے یہ دیکھئے خیمہ وجود کا
آندھی نے توڑ دی ہے گرہ ہر طناب کی

اتنا سنا ہے جھوٹ کہ اب سچ بھی یوں لگے
فرضی ہو جیسے کوئی کہانی کتاب کی

دشمن کے ہر طرف ہیں پھریرے گڑے ہوئے
تعبیر کیا کروں کھلی آنکھوں کے خواب کی

اک امتحاں میں اتنے زمانے گزر گئے
سطریں ورق ورق سے مٹی ہیں نصاب کی

عمروں میں آرزو کی مسافت نہ طے ہوئی
دیوار ہر قدم پہ تھی ریگ سراب کی

راسخ وہ سرد مہریٔ شہر ستم نہ پوچھ
سورج نے اوڑھ رکھی تھی چادر سحاب کی

[راسخ عرفانی]